اِن شاء اللہ العزیز ——— سال 2000ء سے

قرآن کالج فار گرلز

433۔ کے' ماڈل ٹاؤن توسیعی سکیم۔ لاہور

میں ہائی سکول کلاسز' یعنی

چھٹی' ساتویں اور آٹھویں کلاس کا آغاز بھی کر دیا جائے گا

سنجیدہ علمی ماحول میں اپنی بچیوں کو معیاری تعلیم دلوانے کے ساتھ ساتھ انہیں دینی اقدار اور اسلامی آداب سے روشناس کرانے کے خواہش مند والدین اس موقع سے فائدہ اٹھائیں

نوٹ : ———

مذکورہ بالا کلاسز میں باضابطہ داخلوں کا آغاز فروری 2000ء میں ہو گا

☆

زیر انتظام : **مرکزی انجمن خُدَّام القُرآن لاہور**

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 03-5869501

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرۃ : ۲۶۹)

ماھنامہ

حکمتِ قرآن

لاھور

بیادگار : ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی ڈی لٹ مرحوم

مدیر اعزازی : ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے ایم فل پی ایچ ڈی

معاون : حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر : حافظ خالد محمود خضر پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

شمارہ ۱۲ | رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ — دسمبر ۱۹۹۹ء | جلد ۱۸

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاھور ۱۴۔ فون : ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس : داؤد منزل متصل شاہ بخاری۔ شاہراہ لیاقت کراچی فون : ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون ۸۰/- روپے، فی شمارہ ۸/- روپے

دن کا روزہ اور رات کا قیام

احادیث نبویؐ کے آئینے میں

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِی رضی اللہ عنہ قَالَ : خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی آخِرِ يَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ :

((يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ ' شَهْرٌ مُبَارَكٌ ' شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ' جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا))

[رواہ البیہقی فی شعب الایمان]

"حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہِ شعبان کے آخری روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ دیا۔ اس میں آپؐ نے فرمایا :

"اے لوگو! تم پر ایک عظمت والا اور بابرکت مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۔ اس مبارک مہینے کی ایک رات (لیلۃ القدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) کھڑا ہونے کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے)"۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ' وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ' وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) [رواہ البخاری و مسلم]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : "جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے گئے

اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی تمام سابقہ خطائیں بخش دی گئیں"۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو (رضی اللہ عنہ) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال :

((اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ ' يَقُوْلُ الصِّيَامُ : اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ ' وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ : مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ ' فَيُشَفَّعَانِ)) [رواه البيهقى فى شعب الايمان]

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"روزہ اور قرآن دونوں (مومن) بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا : اے پروردگار! میں نے اسے دن کو کھانے پینے اور نفس کی خواہشات پورا کرنے سے روکے رکھا تھا' پس اس کے حق میں میری سفارش قبول کیجئے۔ اور قرآن کہے گا : میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا تھا' پس اس کے حق میں میری سفارش قبول فرمایئے۔ چنانچہ دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی"۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ ' فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِىْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ)) [رواه البخارى وابوداؤد والترمذى]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"جس شخص نے (روزہ رکھ کر) جھوٹ اور اس پر عمل نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے"۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمْاُ ' وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ)) [رواه الدارمى]

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

آمد بہار کی ہے . . . .

نیکیوں کے موسم بہار یعنی رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔ ایک حدیثِ نبویؐ کے الفاظ کی رو سے ایک عظمت والا اور بابرکت مہینہ ہم پر سایہ فگن ہو رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے رمضان کو "اللہ تعالیٰ کا مہینہ" قرار دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یوں تو سارے ہی مہینے اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، لیکن رمضان المبارک کا معاملہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ رمضان المبارک کی یہ خصوصی وجہ امتیاز اس کے نزول قرآن کا مہینہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۵ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان وارد ہوا : ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ "رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا"۔ اسی ماہِ مبارک میں وہ عظمت والی رات بھی ہے جسے قرآن حکیم میں ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا گیا ہے اور اس رات کی اس قدر فضیلت کا باعث بھی یہی ہے کہ یہ نزول قرآن کی رات ہے ﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ﴾

نزول قرآن کا مہینہ ہونے کی نسبت سے رمضان المبارک قرآن حکیم سے تجدیدِ تعلق کا مہینہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں اہلِ ایمان کو جو دوگونہ پروگرام عطا کیا گیا ہے اس میں قرآن حکیم کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یعنی دن روزے کے ساتھ بسر کرنا اور رات کے لمحات میں قرآن حکیم پڑھنے یا سننے کے لئے قیام کرنا۔ اس دوگونہ پروگرام کے دونوں عناصر "روزہ اور قرآن" انسان کے مرکب وجود یعنی جسد اور روح کے تقاضوں میں تطبیق اور توازن پیدا کرتے ہیں۔ روزے کی حالت میں جسمانی تقاضوں یعنی بھوک اور شہوت پر پابندی عائد کی جاتی ہے جس کے نتیجے میں روح پر جسد کی گرفت کمزور پڑتی ہے اور گویا روح کو سانس لینے کا موقع ملتا ہے۔ پھر رات کے وقت قرآن حکیم کی تلاوت یا سماعت کے ذریعے روح پر انوارِ قرآنی کی بارش ہوتی ہے جس سے روح میں بالیدگی اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح دن کا روزہ اور رات کا قیام دونوں مل کر ایک عظیم مقصد کی تکمیل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس رمضان المبارک کو ہمارے لئے باعثِ خیر و برکت بنائے اور ہمیں اس کے شب و روز سے بیش از بیش فائدہ اٹھانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ ○○

درس ۱۵

تواصی بالحق کا ذروۂ سنام
جہاد و قتال فی سبیل اللہ

—— (۱) ——

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ :

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ ﴾

(الحجرات : ۱۵)

﴿ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ○ ﴾

(التوبۃ : ۲۴)

الحمد للہ کہ ہم اس وقت مطالعۂ قرآنِ حکیم کے اس منتخب نصاب کے حصہ چہارم کا آغاز کر رہے ہیں۔ یہ حصہ "سورۃ العصر" میں وارد شدہ لوازمِ فوز و فلاح یا آسان الفاظ میں شرائطِ نجات میں سے تیسری شرط یعنی تواصی بالحق کی مزید تشریح اور تفصیل پر مشتمل ہے۔ اس ضمن میں ہمارے اس منتخب نصاب میں مختلف مواقع پر جو مباحث آ چکے ہیں' آگے بڑھنے سے قبل ان پر ذرا ایک نگاہِ بازگشت ڈال لینا مفید ہو گا۔ سب سے پہلے تو

"تَوَاصِیْ بِالْحَقِّ" کی اصطلاح ہی پر دوبارہ غور کر لیجئے۔ لفظ "تواصی" وصیت سے بنا ہے اور وصیت میں تاکید کا مفہوم بھی شامل ہے۔ کوئی بات ناصحانہ انداز میں' خیر خواہی کے جذبے کے تحت' انتہائی شدّ ومدّ کے ساتھ کہی جائے تو عربی زبان میں اسے وصیت سے تعبیر کیا جائے گا۔ پھر جب یہ لفظ بابِ تفاعل سے آیا یعنی "تواصی" تو اس میں مبالغے کا مفہوم بھی پیدا ہو گیا۔ یعنی یہ عمل بڑے اہتمام اور پوری شِدّت و تاکید کے ساتھ مطلوب ہے۔ دوسری طرف مزید توجّہ دلا دی گئی کہ کسی بھی صحت مند اجتماعیت کے لئے ناگزیر ہے کہ اس کے شرکاء ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہیں اور ایک دوسرے کو خیر و بھلائی کی بات کہتے رہیں۔ اسی طرح لفظ "حق" بھی بہت جامع ہے۔

جیسے کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ ہر وہ چیز جو عقلاً مسلّم ہو' اخلاقاً واجب ہو' بامقصد اور نتیجہ خیز ہو' جو صرف وہمی و خیالی نہ ہو بلکہ واقعی ہو "حق" ہے۔ اس اعتبار سے "تواصی بالحق" کا مفہوم انتہائی وسعت اختیار کر جاتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی حقیقتوں اور چھوٹے سے چھوٹے حقوق سے لے کر اس سلسلۂ کون و مکان کی عظیم ترین حقیقت یعنی "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" اور "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" ان سب کی تبلیغ' نشر و اشاعت اور اعلان و اعتراف تواصی بالحق کے مفہوم میں شامل ہے۔

اس کے بعد ہمارے اس منتخب نصاب کے حصّہ اوّل میں دوسرا جامع سبق آیۂ بِر پر مشتمل تھا۔ اس کے آخر میں واضح کر دیا گیا کہ یہ تواصی بالحق اس شان کے ساتھ مطلوب ہے کہ خواہ اس کے ضمن میں انسان کو فقر و فاقہ سے دوچار ہونا پڑے' خواہ جسمانی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں' خواہ اس کا تقاضا ہو کہ انسان نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں حاضر ہو جائے اور اپنی جان کا ہدیہ اس راہِ حق میں پیش کر دے' اس کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائے۔ یہ انسان کے فی الواقع متقی' نیک اور صالح ہونے کیلئے ناگزیر ہے۔

تیسرے سبق میں تواصی بالحق کے ضمن میں ایک نئی اصطلاح "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" سامنے آئی تھی۔ وہاں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ معروف اور منکر کے الفاظ میں جس قدر وسعت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے اس کے اعتبار سے گویا مفہوم یہ ہو گا کہ ہر خیر' ہر نیکی' ہر بھلائی' ہر حقیقت اور ہر صداقت کی تبلیغ و تلقین' دعوت و نصیحت' تشہیر و اشاعت اور اعلان و اعتراف حتیٰ کہ ترویج و تنفیذ ہو اور اس راہ کی ہر تکلیف کو صبر و

استقامت کے ساتھ برداشت کیا جائے۔ اس لئے کہ وہاں فرمادیا گیا تھا :

﴿ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ط اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ ﴾ (لقمان : ۱۷)

اسی طرح ہر بدی اور برائی کی رد و قدح' تنقید و احتساب' انکار و ملامت' حتیٰ کہ انسداد و استیصال کی ہر ممکن سعی و کوشش لازم اور ضروری ہے۔

پھر چوتھے سبق میں "دعوت اِلی اللہ" کی اصطلاح وارد ہوئی اور اس طرح تواصی بالحق کی بلند ترین منزل کی نشاندہی کر دی گئی۔ اس لئے کہ بمفحوائے الفاظِ قرآنی ﴿ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ ﴾ مجسّم اور کامل حق صرف ذاتِ حق سبحانہ و تعالیٰ ہے اور ؎

"وہی ذاتِ واحد عبادت کے لائق
زباں اور دل کی شہادت کے لائق"

کے مصداق اُسی کی اطاعت و عبادت کا التزام' اسی کی شہادت علیٰ رؤس الاشہاد اور اسی کی اساس پر انفرادی و اجتماعی زندگی کو استوار کرنے کی سعی و جہد تواصی بالحق کا ذروۂ سنام (Climax) یا نقطۂ عروج ہے۔

اور آخر میں سورۃ الحجرات زیر درس آئی' جس میں حد درجہ جامع آیت حقیقی ایمان کی تعریف کے ضمن میں وارد ہوئی :

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ ﴾

گویا ایمانِ حقیقی کے دو اَرکان کا بیان اِس آیتِ مبارکہ میں ہو گیا ـــــ اولاً وہ ایمان جو ایک یقین کی صورت اختیار کر کے قلب میں جاگزیں ہو جائے اور ثانیاً اس کا وہ مظہر جو انسان کے عمل میں' اس کی عملی روش میں' اس کے رویئے میں نظر آنا چاہئے۔ اسے تعبیر کیا گیا جہاد فی سبیل اللہ کے عنوان سے۔

یہ "جہاد فی سبیل اللہ" ہمارے منتخب نصاب کے چوتھے حصے کے لئے اب ایک عنوان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اس اصطلاح نے تواصی بالحق اور تواصی بالصبر دونوں کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ میں ہر مومن کے لئے ایک ترازو فراہم کر دی گئی ہے کہ وہ اسے اپنے باطن میں نصب کر کے اپنے آپ کو تولے' اپنے آپ

کو جانچے اور پرکھے کہ وہ ایمان کے اعتبار سے حقیقتاً کس مقام پر کھڑا ہے۔ فرمایا گیا :

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا.... ﴾

"(اے نبی!) ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں تمہارے باپ' تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی' تمہاری بیویاں' تمہارے کنبے اور وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور وہ کاروبار (جو تم نے بڑی محنت سے جمائے ہیں اور) جن کی کساد بازاری کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے' اور وہ مکان (اور جائیدادیں جو بڑے اہتمام سے بنائی گئی ہیں اور جن کی تزئین و آرائش پر بہت کچھ صرف کیا گیا ہے) جنہیں تم بہت پسند کرتے ہو (اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ' اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے تو جاؤ انتظار کرو...."

یعنی پانچ علائقِ دُنیوی اور تین مال و اسبابِ دُنیوی کی صورتیں اس ترازو کے ایک پلڑے میں ڈال دو اور دوسرے پلڑے میں ڈالو اللہ کی محبت' اس کے رسولؐ کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت' اور پھر دیکھو کہ کہیں علائقِ دُنیوی اور مال و اسبابِ دُنیوی والا پلڑا جھک تو نہیں رہا۔ اگر ایسا ہے تو جاؤ انتظار کرو . . . بلکہ بامحاورہ ترجمے میں اس کا صحیح مفہوم اس طرح ادا ہو گا کہ "جاؤ دفع ہو جاؤ" ﴿ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ﴾ "یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ سنا دے"۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ "اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

"جہاد فی سبیل اللہ" کی اصل حقیقت

قرآنی آیات کے حوالے سے آج ہم اس بات پر غور کریں گے کہ جہاد فی سبیل اللہ ہے کیا؟ اس لفظ کے لغوی معنی کیا ہیں' اس کا حقیقی مفہوم کیا ہے' ہمارے دین میں اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے' اس جہاد کی کیا کیا شکلیں ہیں' اس کے مقاصد کیا ہیں' اس کا نقطۂ آغاز کیا ہے' اس کی پہلی منزل کیا ہے اور اس کی آخری منزلِ مقصود کونسی ہے!! یہ بنیادی باتیں حقیقتِ جہاد کے بارے میں آج کی گفتگو کا موضوع ہیں۔

اس ضمن میں یہ بات عرض کر دینا شاید نامناسب نہ ہو کہ جس طرح ہمارے تمام دینی تصورات ایک طویل انحطاط کی بدولت نہ صرف یہ کہ محدود (limited) بلکہ مسخ (perverted) ہو چکے ہیں' اسی طرح واقعہ یہ ہے کہ جہاد کا لفظ بھی ہمارے ہاں بہت ہی محدود معنی میں استعمال ہو رہا ہے' بلکہ اکثر و بیشتر بہت غلط معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں ایک مغالطہ تو یہ ہوا کہ جہاد کو جنگ کے ہم معنی بنا دیا گیا' حالانکہ جہاد کے معنی ہرگز جنگ کے نہیں ہیں۔ جنگ کے لئے قرآن مجید کی اپنی اصطلاح "قتال" ہے جو قرآن میں بکثرت استعمال ہوئی ہے۔ یہ اصل میں جہاد کی ایک آخری صورت اور آخری منزل ہے' لیکن جہاد اور قتال کو بالکل مترادف بنا دینے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب جہاد کی وسعت اور ہمہ گیری پیش نظر نہیں رہی۔ اس ایک مغالطے کے بعد ستم بالائے ستم اور ظلم بالائے ظلم یہ ہوا ہے کہ مسلمان کی ہر جنگ کو جہاد قرار دے دیا گیا' خواہ وہ خیر کے لئے ہو یا شر کے لئے۔ کوئی ظالم و جابر مسلم حکمران اپنی نفسانیت کے لئے' اپنی ہوس ملک گیری کے لئے کہیں خونریزی کر رہا ہو تو اس کا یہ عمل بھی جہاد قرار پایا اور اس طرح اس مقدس اصطلاح کی حرمت کو بٹہ لگایا گیا ہے۔ ذرا تفصیل کے ساتھ اور بنظر غائر یہ جائزہ لینا ہو گا کہ قرآن مجید کے نزدیک جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے!!

اس منتخب نصاب کے دروس کے دوران اس سے پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ عربی زبان بڑی سائنٹیفک زبان ہے۔ اس کے ننانوے فیصد سے زیادہ الفاظ وہ ہیں جن کا ایک سہ حرفی مادہ (Root) ہوتا ہے اور اس کے تمام مشتقات کا دارومدار اسی مادے یا "جڑ" پر ہوتا ہے اور اس کا مفہوم اس سے نکلنے والے تمام الفاظ میں موجود رہتا ہے۔ گویا یہ "جڑ" تو ﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾ کے انداز میں اپنی جگہ مضبوطی کے ساتھ قائم رہتی ہے' لیکن مختلف سانچوں میں ڈھل کر وہ مادہ کچھ اضافی مفہوم اپنے اندر جمع کرتا چلا جاتا ہے۔

لفظ جہاد کا سہ حرفی مادہ "ج۔ ھ۔ د" ہے اور یہ لفظ اردو بولنے اور اردو لکھنے والوں کے لئے کسی درجہ میں بھی نامانوس نہیں ہے۔ جُہدِ مسلسل' جدّوجُہد' یہ الفاظ اردو زبان میں مستعمل ہیں۔ جُہد کے معنی ہیں کوشش کرنا ـــــ انگریزی میں اس کا مفہوم ان الفاظ میں ادا ہو گا: "to exert one's utmost"۔ کسی بھی مقصد کے

لئے، کسی بھی معین ہدف کے لئے محنت کرنا، کوشش کرنا، مشقت کرنا، جدّوجُہد کرنا اصلاً "جُہد" ہے۔ لیکن عربی زبان میں یہی مادہ جب مختلف سانچوں میں ڈھلے گا، مختلف ابواب سے اس کے مصادر بنیں گے تو ان میں اضافی مفہوم شامل ہو جائے گا۔ "مفاعلہ" ثلاثی مزید فیہ کا ایک باب ہے۔ اس باب میں جو الفاظ آتے ہیں اور جو مصدر اس وزن پر ڈھلتے ہیں ان میں دو مفہوم اضافی طور پر شامل ہو جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس باب میں دو فریقوں یا ایک سے زائد فریقوں کی شرکت و مشارکت کا مفہوم شامل ہو جاتا ہے۔ (اب یہ "مشارکت" خود بھی "مفاعلہ" کے وزن پر ہے) اور دوسرے یہ کہ ہر ایک فریق کا دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش اور بازی لے جانے کی سعی کا مفہوم بھی اس میں خود شامل ہو جائے گا۔ جیسے "مباحثہ" دو افراد یا دو فریقوں یا دو گروہوں کے مابین بحث کا نام ہے، جن میں سے ہر فریق کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے نقطۂ نظر کی حقانیت کو دلائل دے کر ثابت کرے اور فریق مخالف کے نقطۂ نظر کا ابطال کرے اور اس کی غلطی کو ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ "مناظرہ" اسی سے بنا ہے۔ اسی طرح دو فریق آمنے سامنے آئیں اور ان میں سے ہر فریق کی کوشش یہ ہو کہ دوسرے کو زیر کرے اور خود بالادستی حاصل کرے تو یہ "مقابلہ" ہے۔ اسی طرح بے شمار الفاظ بنتے چلے جائیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ "مشاعرہ" میں بہت سے شعراء کسی ایک دیئے ہوئے مصرعے پر طبع آزمائی کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مشاعرہ لوٹ لے جائے۔ تو اس وزن پر آنے والے ان تمام الفاظ میں یہ دو مفہوم لازماً پیدا ہو جائیں گے کہ کسی عمل میں مشارکت اور اس مشارکت میں اس بات کی کوشش کہ ہر فریق دوسرے فریق کو زیر کرنے اور نیچا دکھانے کی کوشش کرے۔

اب اسی وزن پر لفظ "مجاہدہ" بنا ہے اور اسی طرح سے "مقاتلہ" بنا ہے۔ "قتل" اور "مقاتلہ" میں فرق یہ ہو گا کہ قتل ایک یک طرفہ فعل ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ جبکہ مقاتلہ یہ ہے کہ دو افراد ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے آمنے سامنے آ کھڑے ہوں، وہ اسے قتل کرنے کے درپے ہو اور یہ اُسے قتل کرنے کے درپے ہو۔ اسی طرح لفظ "جہد" میں یکطرفہ کوشش کا تصور سامنے آتا ہے، یعنی کسی ہدف اور مقصد کے لئے محنت کی جا رہی ہے، مشقت ہو رہی ہے، جبکہ مجاہدہ میں ایک اضافی تصور

سامنے آئے گا کہ کوشش میں مختلف فریق شریک ہیں۔ ہر ایک کا اپنا کوئی مقصد اور اپنا کوئی نقطۂ نظر ہے اور ہر ایک اس کوشش میں ہے کہ اپنے مقصد کو حاصل کرے اور اپنے خیال یا اپنے نظریئے کو دنیا میں سربلند کرنے کی کوشش کرے۔ "جہاد فی سبیل اللہ" درحقیقت قرآن مجید کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ جہاد اور مجاہدہ دونوں باب مفاعلہ سے مصدر ہیں۔ انگریزی میں اب اس کو یوں ادا کیا جائے گا : to struggle hard اس لئے کہ struggle میں کشمکش اور کشاکش کا مفہوم شامل ہے۔ جُہد صرف کوشش ہے جبکہ جہاد یا مجاہدہ کشمکش اور کشاکش ہے اور انگریزی کے اس لفظ struggle میں بھی وہ تصور موجود ہے کہ مخالفتوں اور موانع کے علی الرغم اپنے مقصد معین کی طرف پیش قدمی کرتے چلے جانا۔

اب ظاہر بات ہے کہ مجاہدہ خواہ کسی مقصد کے لئے ہو اس میں انسان کی صلاحیتیں، قوتیں اور توانائیاں بھی صرف ہوں گی اور مالی وسائل و ذرائع بھی صرف ہوں گے۔ ان دو کے بغیر دنیا میں ممکن کوئی کوشش ممکن نہیں ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ ابتدائی سطح پر کسی بھی مقصد کے لئے، کسی بھی نصب العین کے لئے، کسی بھی خیال کی ترویج و اشاعت کے لئے انسان کو کچھ مالی وسائل و ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے، جن سے وہ اپنے نصب العین اور آئیڈیا کو project کر سکے، اس کی تشہیر و اشاعت ہو اور اسے وسیع حلقے میں پھیلایا جائے۔ لہٰذا قرآن مجید میں بھی آپ دیکھیں گے کہ اس مجاہدے کے ساتھ دو الفاظ آپ کو ہر جگہ ملیں گے۔ ﴿ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ﴾ یعنی اس مجاہدے، اس جدّ و جُہد اور اس کی کوشش میں اپنے مال بھی کھپاؤ اور اپنی جانیں بھی کھپاؤ جیسے کہ سورۃ الحجرات کی آیت میں ارشاد ہوا ﴿ وَ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ "اور انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔"

اس جہاد کے لئے ایک تیسری چیز جو ضروری ہے وہ کسی ہدف کا معین ہونا ہے۔ کوئی مقصود معین ہو، کوئی نصب العین ہو، کوئی آدرش ہو، جس کے لئے وہ محنت اور مشقت کی جائے۔ اسی کی نظریاتی سطح پر نشر و اشاعت ہوگی، اسی کے لئے پھر محنتیں ہوں گی، اسی کی سربلندی کے لئے کوششیں ہوں گی۔ تو گویا کہ اس جہاد کے لئے اس ہدف کا تعین ضروری ہے۔ اب فرض کیجئے کہ ایک شخص اپنی برتری کے لئے، اپنی بالادستی کے لئے، اپنے اقتدار

کے لئے اور اپنے مفادات کے لئے محنتیں کر رہا ہے' اس کا یہ ہدف معین ہے' تو یہ بھی مجاہدہ ہے۔ اس لئے کہ ظاہر بات ہے کہ یہاں مختلف مقابل قوتیں موجود ہیں' ہر شے کے لئے مسابقت (competition) ہے' لہٰذا اس کے لئے اسے struggle کرنا ہو گی' محنت کرنا ہو گی' اسے دوسروں سے آگے بڑھنا ہو گا' اسے محنت و مشقت میں اپنے حریف یا مخالف سے بازی لے جانا ہو گی۔ اس کے بغیر اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے' اپنی ذاتی سربلندی کے لئے یا اپنی ذات کے لئے دنیوی آسائشوں کو زیادہ سے زیادہ جمع کر لینے کے مقصد میں بھی کامیابی حاصل کر سکے۔ اس کو آپ یوں کہیں کہ یہ "مجاہدہ فی سبیل النفس" ہے۔ اپنی ذات کے لئے' اپنے نفس کے تقاضوں کے لئے مجاہدہ ہو رہا ہے۔ اور یہ بات کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ یہ مجاہدہ ہر آن ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہ Struggle for Existance ہے۔ ہر ایک بھاگ دوڑ اور محنت و مشقت کر رہا ہے اور اس کوشش میں ہے کہ وہ دوسرے سے آگے نکل جائے۔ ﴿ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا ﴾ ہر ایک نے اپنا ایک ہدف معین کیا ہوا ہے اور ایک دوڑ لگی ہوئی ہے' ایک مسابقت جاری ہے۔

اسی طرح فرض کیجئے کہ کوئی شخص اپنا ہدف معین کرتا ہے اپنی قوم کی سربلندی' اپنے وطن کی عزت' اس کا وقار' دنیا میں اس کا نام روشن کرنا۔ اس قوم پرستانہ اور وطن پرستانہ جدّوجُہد اور محنت و کوشش کا بھی قوموں اور ملکوں کے مابین مقابلہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں جو شخص بھی اپنی قوتوں' توانائیوں اور اپنی صلاحیتوں کو صرف کرتا ہے وہ مجاہد ہے فی سبیل القوم' یا مجاہد ہے فی سبیل الوطن۔ اسی طرح کوئی شخص کسی نظریئے (Ideology) کو اختیار کرتا ہے وہ کسی نظریۂ حیات' کسی نظامِ زندگی کا قائل ہو گیا ہے اور سمجھتا ہے کہ انسان کے لئے وہ ایک بہتر طرزِ زندگی ہے' اس میں انسانی مسائل کا ایک بہتر' متوازن' زیادہ معتدل اور زیادہ منصفانہ حل ہے۔ اگر کسی طرح بھی اسے اس بات کا یقین حاصل ہو گیا ہے اور اب وہ اپنی قوتیں صرف کر رہا ہے' محنتیں کھپا رہا ہے' اوقات لگا رہا ہے' جسم و جان کی توانائیاں اس میں صرف کر رہا ہے کہ وہ نظریہ دنیا میں پھیلے' اس نظریئے کو بالادستی حاصل ہو' اسی کا نظام دنیا میں عملاً قائم ہو تو اس کے لئے جو محنت ہو رہی ہے یہ اس نظریئے کے لئے جہاد اور مجاہدہ ہے۔ اس لئے کہ اس سطح پر بھی

کوئی خلا موجود نہیں ہے۔ مختلف نظریات ہیں جو باہم متصادم ہیں۔ ہر ایک اپنی بالادستی اور supremacy کے لئے کوشاں ہے اور ان کے ماننے والے اس کے لئے تن من دھن لگا رہے ہیں۔ اب جو شخص کسی نظریئے کو اختیار کر کے اس کے لئے محنت و مشقت کرتا ہے وہ اس نظریئے کا مجاہد ہے۔ گویا اس اعتبار سے ہم اس جدوجہد کو مجاہدہ فی سبیل الاشتراکیہ' مجاہدہ فی سبیل الوطن یا مجاہدہ فی سبیل الدیموکراتیہ کہہ سکتے ہیں۔ تو یہ "فی سبیل . . ." جو ہے جس کو انگریزی میں آپ "in the cause of" سے تعبیر کریں گے' اس کا تعین بھی اس مجاہدے کے لئے لازم ہے۔

اب آپ دیکھئے کہ متذکرہ بالا دونوں آیات میں "مجاہدہ فی سبیل اللہ" کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۃ الحجرات میں فرمایا گیا ﴿ وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ "اور انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور کھپائی اس میں اپنی جان بھی اور اپنے اموال بھی"۔ اسی طرح سورۃ البراءۃ میں فرمایا گیا : وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ "اور اللہ کی راہ میں جہاد"۔ اس سے پہلے بھی ہمارے اس منتخب نصاب میں یہی لفظ "جہاد" استعمال ہو چکا ہے۔ تیسرے سبق میں سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع میں بیان ہوا کہ مشرک والدین اپنی اولاد کو اگر شرک پر مجبور کریں تو یہ ان کا مجاہدہ ہے۔ ایک مؤمن مجاہد فی سبیل التوحید ہے' مجاہد فی سبیل اللہ ہے اور اس کے مشرک والدین بھی مجاہدہ کر رہے ہیں' وہ بھی کوشش کر رہے ہیں' وہ اپنی اولاد پر دباؤ ڈال رہے ہیں بالفاظِ قرآنی : ﴿ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ یعنی اگر وہ دونوں تجھ سے جہاد کریں اس بات پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کے لئے تیرے پاس کوئی علمی دلیل نہیں' نہ عقل میں اس کے لئے کوئی بنیاد ہے' نہ انسان کی فطرت اس کی تائید کرتی ہے' نہ کوئی اور علمی استدلال اس کے حق میں موجود ہے' نہ خدا کی اتاری ہوئی کسی کتاب میں اس کے لئے کوئی سند پائی جاتی ہے' تو اگر وہ تم سے مجاہدہ کریں تو تم ان کا کہنا نہ مانو!

معلوم ہوا کہ یوں نہیں سمجھنا چاہئے کہ جہاد صرف ایک بندۂ مؤمن ہی کرتا ہے' بلکہ جہاد تو اس دنیا کا اصول ہے۔ یہ دنیا قائم ہی جہاد پر ہے۔ وہ لوگ جو مردہ ہوں' جن میں سیرت و کردار نام کی کوئی شے موجود نہ ہو' جن میں درحقیقت کوئی خیال یا نظریئے کی بلندی اور پختگی پیدا ہی نہ ہوئی ہو' جو حیوانی سطح پر صرف حیوانی جبلتوں کے تحت زندگی بسر

کر رہے ہوں' بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ زندگی بسر نہ کر رہے ہوں بلکہ زندگی انہیں بسر کر رہی ہو' ان کا معاملہ مختلف ہے۔

لیکن اگر فی الواقع کسی شخص کا اپنا کوئی خیال اور نظریہ ہے' کسی بات کی حقانیت تک اسے رسائی حاصل ہوتی ہے' کسی چیز کی صحت پر اس کے دل نے (صحیح یا غلط) گواہی دی ہے' اس کی عقل نے اسے قبول کیا ہے' اس شخص میں اگر سیرت و کردار نام کی کوئی شے ہے' character کی کوئی قوت ہے' اگر وہ بامروت انسان ہے تو اس کے لئے لازم ہو گا کہ وہ اپنے اس نظریئے اور خیال کے لئے' جس کی حقانیت پر اس کے دل نے گواہی دی ہے اور جس کی صداقت کو اس کے ذہن اور دماغ نے قبول کیا ہے' اس میں مجاہدے کی کیفیت پیدا ہو' وہ اس کی نشر و اشاعت کے لئے اپنی امکانی سعی بروئے کار لائے' اس کے اعلان و اعتراف میں کسی بھی چیز سے خائف نہ ہو' یہاں تک کہ اگر جان دینے کا مرحلہ آئے تو اس کی خاطر جان قربان کر دے۔ یہ درحقیقت کسی بھی انسان کے صاحب کردار ہونے کے لئے شرطِ لازم ہے۔

اس سے پہلے یہ بات عرض کی گئی تھی کہ سورۃ العصر میں جو چار چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ منطقی اعتبار سے انتہائی مربوط ہیں۔ عقل و منطق کے اعتبار سے ہر انسان کا طرزِ عمل کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی لازماً یہ ہونا چاہئے کہ پہلے وہ یہ دیکھے کہ حق کیا ہے' صحیح بات کیا ہے' انصاف کا نقطۂ نظر کونسا ہے! یہ تلاش اور تحقیق و تفتیش اس کے لئے لازم ہے۔ اور جب اسے حق و صداقت معلوم ہو جائے تو اب اگر وہ صاحب کردار انسان ہے تو اسے قبول کرنا اس کے لئے لازم ہے۔ پھر اس حق اور صداقت کی تعلیم و تبلیغ' اس کا اعلان اور اس کے لئے اگر کوئی تکلیف اور مصیبت آتی ہے تو اسے برداشت کرنا' لوگوں کی ناراضگی مول لینی پڑے تو اس کے لئے آمادہ رہنا' یہاں تک کہ اگر جان پر کھیل جانا پڑے تو اس سے گریز نہ کرنا اس کے صاحب کردار ہونے کا تقاضا ہے۔ آخر سقراط نے زہر کا پیالہ کیوں پی لیا تھا؟ اس لئے کہ اس پر کچھ حقیقتیں اور صداقتیں منکشف ہوئی تھیں ـــــ اور جب اس کے سامنے دو متبادل (alternatives) آئے کہ یا تو ان صداقتوں سے اعلانِ براءت کر دو یا یہ زہر کا پیالہ پی جاؤ تو اس نے زہر کا پیالہ پی جانے کو ترجیح دی اور حقائق سے منہ موڑ لینے کو گوارا نہ کیا۔ یہ بالکل دو اور دو چار کی طرح کی

بات ہے کہ جس شے کی حقانیت پر انسان کے دل و دماغ نے گواہی دے دی اور جس صداقت پر اسے یقین ہو گیا' اب اس کی غیرت و حمیت اور شرافت کا تقاضا ہے کہ وہ اس کی نشر و اشاعت' اس کے اعلان و اعتراف اور اس کو دنیا میں غالب اور بالفعل رائج اور نافذ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے اور اس کے لئے جو کچھ اس کے بس میں ہو کر گزرے۔ اگر وہ یہ کرتا ہے تو وہ واقعتاً ایک صاحب کردار انسان ہے۔

دین کے اعتبار سے یہ تمام کیفیات جمع کر لی جائیں تو ان کے لئے جامع عنوان ہو گا "جہاد فی سبیل اللہ" یا "مجاہدہ فی سبیل اللہ"۔ جس نے اس کائنات کی اصل حقیقت کو پہچان لیا' اللہ کو جان لیا' اس کو مان لیا' اب اللہ کے لئے اپنی جان اور مال کا کھپانا اس پر لازم ہے۔ ایک انسان اگر کسی چھوٹی سی حقیقت کا سراغ لگانے کے بعد اس حقیقت کے بیان میں اور اس کے اعلان و اعتراف میں اپنی جان دینا گوارا کر سکتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ایک بندۂ مومن اللہ کو ماننے کے بعد اپنے گھر میں پاؤں پھیلا کر سوتا رہے اور اسے اس بات کی فکر نہ ہو کہ اللہ کا دین غالب ہے یا مغلوب؟ (جاری ہے)

بقیہ : استقبالِ رمضان

وفی روایۃ ابن ماجہ :

((رُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَهٗ مِنْ صِیَامِهٖ اِلَّا الْجُوْعُ ' وَرُبَّ قَائِمٍ لَیْسَ لَهٗ مِنْ قِیَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ))

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کے روزے سے انہیں سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی (راتوں کو) قیام کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کے قیام سے انہیں سوائے جاگنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا"۔ (اعاذنا اللہ من ذٰلك)

اطلاع برائے قارئین : رمضان المبارک کے دوران دفتری اوقات کار میں کمی اور عید الفطر کی تعطیلات کے باعث جنوری 2000ء کا شمارہ بروقت شائع نہیں ہو سکے گا' بلکہ عید الفطر کے بعد جنوری' فروری کا مشترکہ شمارہ شائع ہو گا۔ (ادارہ)

قرآن حکیم اور عصرِ حاضر کے علمی، فکری اور عملی تقاضے

خطاب : ڈاکٹر اسرار احمد

(گزشتہ سے پیوستہ)

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ فکر انگیز خطاب، جس کا نصف اول "حکمت قرآن" کے گزشتہ شمارے میں شائع ہو چکا ہے، راولپنڈی سے ہمارے ایک کرم فرما ڈاکٹر ایف ایم ناز صاحب نے کیسٹ کی ریل سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے ہمیں بغرضِ اشاعت ارسال کیا تھا۔ اس خطاب کی ایڈیٹنگ اور ترتیب میں ہمارے رفیق کار فرقان دانش صاحب کی کاوش کو بھی خصوصی دخل حاصل ہے۔ ابتداءً ہم یہ معلوم کرنے سے قاصر رہے کہ یہ خطاب محترم ڈاکٹر صاحب نے کب اور کہاں ارشاد فرمایا تھا۔ تاہم تحقیق و جستجو کے بعد اس امر کا سراغ لگانے میں بحمد اللہ ہمیں کامیابی ہوئی ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ خطاب ۲۰ جنوری ۹۲ء کا ہے، جب آپ متحدہ عرب امارات کے دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ وہاں دوبئی کے پلمن ہوٹل میں احباب کی ایک خصوصی تقریب میں محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ خطاب ہوا جو اپنے موضوع کے اعتبار سے بلاشبہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ (ادارہ)

انسانی علم سائنس اور ٹیکنالوجی یا فلسفہ اور عمرانی علوم پر مشتمل ہے۔ علم کا دوسرا حصّہ وحی کے ذریعے حاصل ہوا۔ علم وحی میں ایک حصّہ وہی ہے جو دراصل فلسفہ کا موضوع ہے۔ دراصل انسانی علم نے بھی ان حقائق کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے جن کو وحی نے ایمان کا نام دیا ہے۔ علم وحی کا دوسرا حصّہ احکامات پر مشتمل ہے۔ بعض احکام وہ ہیں جن کا تعلق ہماری سماجی زندگی سے ہے۔ بعض احکام وہ ہیں کہ جن کا تعلق ہماری

خاندانی زندگی سے ہے۔ مثلاً نکاح' طلاق' رضاعت' عدت وغیرہ کے سارے احکام سماجی و خاندانی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض احکام کا تعلق معاشی زندگی سے ہے' مثلاً آمدنی کے ناجائز ذرائع' جیسے سود' جوا اور رشوت وغیرہ حرام ہیں۔ یہ چیزیں معاشیات سے متعلق ہیں۔ بعض احکام کا تعلق ہماری سیاسی زندگی سے ہے' مثلاً حکم دیا گیا ہے اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کہ اپنے معاملات باہمی مشاورت سے طے کرو۔ جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم موجود ہے وہاں سرِ تسلیم خم کر دیا جائے' لیکن جہاں اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہیں ہے وہاں مسلمان مشاورتِ باہمی سے معاملہ طے کریں۔ گویا کسی ایک شخص کو اپنی مرضی مسلط کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

نوع انسانی کا اصل المیہ

یہ دو چیزیں یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی ہمیں انسانی علم سے ملی ہیں اور یہ دو چیزیں یعنی ایمان اور احکام ہمیں وحی سے ملے ہیں۔ آج کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟ دیکھئے! میں ایک بات ایسی کہہ رہا ہوں جو بہت سے حضرات کے لئے شاید نئی ہو۔ آج نوعِ انسانی کا اصل المیہ یہ ہے کہ انسان نے ایک علم سے اپنی آنکھ بند کر لی ہے اور کلیتاً انحصار صرف انسانی علم پر ہے۔ مغرب میں انسانی علم بڑھتا چلا جا رہا ہے اور اس کے اور علمِ وحی کے مابین ایک بہت بڑا Gap پیدا ہو گیا ہے۔ ایک علم ترقی کرتے ہوئے وہاں تک پہنچ گیا کہ ع "عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں" کی سی صورتحال پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن دوسرے علم سے انسان نے اپنے آپ کو منقطع کر لیا۔ یعنی کتاب ہدایت کی طرف سے آنکھیں بند ہیں۔ وہ تو ہم نام کے مسلمانوں کا بھی قرآن سے تعلق صرف یہ ہے کہ بغیر سمجھے فوت شدگان کو ثواب پہنچا دو' قرآن خوانی کی محفلیں منعقد کر لو۔ آج کے مسلمان کو قرآن سے بس اتنا سروکار رہ گیا ہے۔ غیر مسلموں کا تو پوچھنا کیا۔ ان کی تو علمِ وحی والی آنکھ بالکل بند ہے۔

یہ ہے درحقیقت سب سے بڑا المیہ اور اسی کا نام قرآن و حدیث کی اصطلاح میں "دجالیت" ہے' جسے فتنہ دجال کہا گیا ہے' دجال جس کی ایک آنکھ ہو گی۔ یہی آج کے علم کا حال ہے۔ کیوں؟ اللہ نے دو آنکھیں انسان کو عطا کی تھیں۔ ایک طرف حضرت آدمؑ کو علم الاسماء دیا جو خلافت کی بنیاد ہے' دوسری طرف علم الوحی دیا۔ لیکن ہم نے ایک آنکھ کو

بند کر لیا' حالانکہ دونوں چیزیں اگر ساتھ کے ساتھ چل رہی ہوں تو یہ جو سائنٹیفک ترقی ہے یہ ہرگز انسان کے لئے مضر نہیں ہے' یہ تو بلکہ اُس خلافت کا ظہور ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے : ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ﴾ خود اللہ نے یہ سب کچھ تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ پھر یہ ساری ترقی اور سارا علم غلط کیوں ہو گیا؟ بات سمجھ لیجئے۔ یہ علم غلط نہیں ہے۔ یہ علم وہ ہے جس کا ذکر قرآن کر رہا ہے۔ یہ علم الاسماء ہی کا ظہور ہے' اسی کی تشریح ہے' اسی کی توسیع ہے۔ لیکن یہ خراب اس لئے ہو گیا کہ دوسرا علمِ ہدایت اس کے ساتھ آنا چاہئے تھا' دوسری آنکھ کھلی رہنی چاہئے تھی' لیکن وہ بند ہو چکی' اس سے انسان نے پیٹھ موڑ لی ہے۔ اس کے بارے میں حدیث میں دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں' ایک ہے فتنۂ دجال اور ایک ہے دجالِ اکبر۔ دجل کہتے ہیں فریب کو' یعنی کسی شے کی اصل حقیقت کے اوپر کوئی ملمع کر دیا جائے۔ تانبے کے اوپر چاندی کا یا سونے کا ملمع دجل ہے۔ درحقیقت یہ ساری تہذیب دجالی اس لئے بن گئی کہ مادے کی اس ترقی نے نگاہوں کو اتنا چکاچوند کر دیا کہ اصل حقائق کی طرف سے ذہول ہو گیا۔ اس دنیا کی ترقی اس درجہ مرعوب کن ہو گئی کہ اب آخرت کا دھیان کسی کو نہیں۔ کائنات کے مطالعہ میں انسان اس طرح گم ہو کر رہ گیا ہے کہ اب اللہ کی ذات کی طرف کوئی توجہ نہیں رہی۔ گویا کہ انسان کی توجہ اللہ کی بجائے صرف کائنات پر' حیاتِ اخروی کی بجائے حیاتِ دنیوی پر اور رُوح کی بجائے صرف مادی وجود پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے۔ آج اپنے جسم کی ہمیں بڑی فکر ہے۔ ذرا سی کہیں derangement ہو جائے' کہیں ذرا سی کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو کتنے پریشان ہو جاتے ہیں' بائی پاس کرانے کے لئے امریکہ پہنچ جاتے ہیں' لیکن روح کی کسی کو فکر نہیں ہے کہ اسے بھی کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے' اس میں بھی کوئی عوارض ہیں' اس میں بھی کوئی روگ ہیں۔ قرآن آیا تھا دلوں کے امراض کے علاج کے لئے۔ قرآن کہتا ہے : ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ﴾ "لوگو! تمہارے پاس آ گئی ہے تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور جو تمہارے سینوں کے اندر روگ ہیں ان کا علاج' ان کی دوا' ان کا مداوا ہے" لیکن اس کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ یہ ہے درحقیقت آج کے جدید انسان (Modern Man) کا اصل المیہ۔

دجالی فتنہ کی علامات حدیث میں آئی ہیں کہ ویران صحرا ہو گا اور دجال حکم دے گا کہ یہاں فصلیں اگنی چاہئیں تو فصلیں اگیں گی۔ آپ کو ابو ظہبی میں بھی اس دجالیت کے مظاہر نظر آئیں گے۔ اسرائیل میں دیکھ لیجئے، صحرا آپ کو لہلہاتی فصلیں دے رہے ہیں۔ اسی طرح عرب کی سرزمین جو "وَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ" کہلاتی تھی، جہاں کبھی کوئی پیداوار نہیں تھی، وہاں سبزیاں اگائی جا رہی ہیں۔ احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اس دجال کی سواری ایسی ہو گی جس کا ایک قدم اگر مدینہ میں ہو گا تو دوسرا قدم بیت المقدس میں ہو گا۔ یہ بھی میں سمجھتا ہوں کہ حضور ﷺ نے اُس وقت کے لوگوں کے ذہنی تصورات کے اعتبار سے مثال دی، ورنہ آج تو ہوائی جہاز بغیر زمین پر قدم رکھے زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی سواری یا گدھے کے کانوں کے درمیان چالیس ہاتھ کا فاصلہ ہو گا۔ جہاز کے ریڈاروں کا اندازہ کیجئے کہ ان کے مابین کتنا فاصلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ دجال انسان کو قتل کرے گا، اسے دو حصوں میں تقسیم کر دے گا، پھر اسے سی دے گا اور وہ جیتا جاگتا انسان بن جائے گا۔ آج سرجری یہاں پہنچ چکی ہے کہ یہ سب کر سکتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ساری چیزیں درحقیقت اسی علم الاسماء کا ظہور اور اسی کی Exfoliation ہے، لیکن اس میں جو دجالیت پیدا ہوئی ہے وہ فی نفسہٖ نہیں ہے، بلکہ یہ ترقی اللہ کو مطلوب تھی۔ ابھی میں نے سورۃ الجاثیہ کی آیت بیان کی ہے : ﴿ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ﴾ "اس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب"۔ چنانچہ انسان چاند پر اترا ہے اور ہو سکتا ہے کہ مریخ پر بھی جا اترے۔ لیکن یہ سارا معاملہ درحقیقت دجالیت اس لئے بنا کہ ان دو علموں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا۔ بلکہ یہ کہ ایک علم کی طرف سے آنکھ بند کر لی گئی۔ آج اس کا حل کیا ہو گا؟ آج اس دجالیت کا خاتمہ کیسے ہو گا؟ آج انسان کے اس مسئلہ کا سب سے بڑا حل یہ ہے کہ ان دو علموں کے درمیان یہ جو خلیج حائل ہو گئی ہے اس کو پاٹا جائے، اس کو bridge کیا جائے، ان میں ایک وحدت پیدا کی جائے اور اس فصل و بعد کو ختم کیا جائے، کیونکہ بقول اقبال ؎

ہوئی دین و دنیا میں جس دم جدائی
ہوس کی وزیری، ہوس کی امیری

یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے اس لئے ہے کہ ان دونوں علوم کے درمیان Gap ہے۔ یہ بالکل ایک دوسرے سے جدا کر دیئے گئے ہیں ؎

زمانہ ایک' حیات ایک' کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصۂ قدیم و جدید

وہ علم یقیناً قدیم ہے' لیکن درحقیقت اس علم کے حصول کا ذریعہ مختلف ہے' اس کے بغیر انسان کا گزارا نہیں ہے۔ اس کے بغیر وہی ہو گا کہ ساری انسانی ترقی ہلاکت و بربادی پر جا کر ختم ہو گی۔ اب یہ خوفناک ایٹمی ہتھیار' جن کو یہ آج تباہ کرنے کے درپے ہیں' ارب ہا ارب ڈالر خرچ ہوئے ہوں گے تب یہ سب ہتھیار بنے ہوں گے۔ ان پر جو کچھ خرچ ہوا ہو گا یہ نوعِ انسانی کی بہبود پر خرچ ہو سکتا تھا۔ یہ امریکہ کے باپ کی جاگیر نہیں تھی' انہوں نے تیسری دنیا کا خون چوسا ہے' ان کو اپنے شکنجے میں لے کر ان کی ساری پیداوار سے یہ ہتھیار بنائے ہیں' ورنہ امریکہ کے پاس تھا کیا۔ صورت حال سب کو معلوم ہے۔ درحقیقت پوری دنیا سے جو خون چوسا جا رہا تھا اس نے ہتھیاروں کی شکل اختیار کی۔ سائنٹیفک ترقی جو استعمال ہونا چاہئے تھی انسانوں کی بھلائی کے لئے' اسے انسانوں کے استحصال (Exploitation) کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ہمارے ہاں حنیف رامے صاحب نے ایک دفعہ بڑی پیاری بات کہی تھی کہ پورے حیدر آباد ڈویژن میں جتنی کاٹن ہوتی ہے ایک سال کی پوری کاٹن کی کمائی دے کر ہم ایک F-16 لے کر بغلیں بجاتے ہوئے آجاتے ہیں کہ ہمیں بڑی کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔ گویا کہ ہماری خارجہ پالیسی کا یہ ایک بہت بڑا مظہر ہے کہ ہم F-16 لے آئے' اور اس F-16 کا ایک سپیئر پارٹ فراہم نہ ہو تو وہ Junk ہے' کباڑ خانے میں جانے والی شے ہے۔ یہ ہے وہ استحصال کہ دنیا کی پوری production اپنے شکنجے میں لے کر اس کا خون چوسا گیا اور یہ ہتھیار بنائے گئے' دونوں سپر پاورز نے بنائے' اور اب ان کی بربادی اور ختم کرنے کا معاملہ درد سر بنا ہوا ہے۔ یہ ساری دجالیت اس وجہ سے ہے کہ اُس علم ہدایت کو پیٹھ دکھا دی گئی۔

اس پس منظر کو ذہن میں رکھئے کہ یہ علوم ہم نے انہیں پہنچائے ہیں۔ ہمیں بھی دوسروں سے ملے تھے۔ علم کا تسلسل آدم علیہ السلام سے چلا آ رہا ہے اور یہ سلسلہ یونہی آگے بڑھتا رہے گا۔ اس میں یونانیوں نے اپنا حصہ ادا کیا' ہندوؤں نے اپنا حصہ ادا کیا' چینیوں

نے اپنا حصّہ ادا کیا' پھر مسلمانوں کی تہذیب آئی' انہوں نے سب سے لیا' پھر اسے مزید develop کیا اور پھر یورپ کو سونپ کر غافل ہو کر سو گئے۔ وہاں یہ سائنسی علوم قرطبہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیوں سے گئے تھے۔ یورپ میں جو احیائے علوم (Renaissance) اور اصلاحِ مذہب (Reformation) کی تحریکیں چلیں' یہ سارا مسلمانوں کے زیر اثر ہوا۔ اب انہوں نے ان علوم کو مزید آگے بڑھایا۔ لیکن بد قسمتی سے یورپ میں جب یہ علم ان کے ہاں گیا اُس وقت جو مذہبی نظام وہاں رائج تھا وہ نہایت جابرانہ' استبدادی اور علم دشمن تھا۔ سائنس پڑھنا جرم تھا۔ فلسفہ کی کتاب کسی کے ہاں دریافت ہو جاتی تو اسے آگ میں زندہ جلا دیا جاتا۔ پاپائیت کے نظام میں جبر اور علم دشمنی کی یہ انتہا تھی۔ وہاں کے لوگ دو شکنجوں کے اندر کسے ہوئے تھے۔ ایک طرف بادشاہ "Divine Rights of the King" کے دعوے کے ساتھ موجود تھا تو دوسری طرف پوپ اور اس کے نائبین "Defenders of the Faith" بن کر نذرانوں کی شکل میں لوگوں کا خون چوس رہے تھے۔ "مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج"۔ بادشاہوں نے خراج کی شکل میں انسان کا جینا دوبھر کیا ہوا تھا۔ چنانچہ ان کی علم' فلسفہ اور سائنس دشمنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ ڈھکن اٹھا ہے تو پھر لوگوں میں مذہب سے نفرت اس درجے پیدا ہوئی کہ یہ اس تہذیب کی بنیاد اور اس کی جڑوں کے اندر پیوست ہو گئی۔ یہ ہے اس دجالی تہذیب کا تاریخی پس منظر جو مذہب کی ایک غلط صورت کے خلاف ردعمل ہے' جس نے انسان کو آسمانی ہدایت سے یکسر محروم کر دیا' اور انسان نے علم ہدایت سے تو منہ موڑ لیا' آنکھیں بند کر لیں' لیکن دوسرا علم بڑھتا چلا گیا اور آج اس نے وہاں تک عروج اختیار کر لیا ہے کہ وہ دجالی فتنہ اپنی تمام علامات کے ساتھ' جن کی خبر حضور ﷺ نے دی تھی' ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

حاملینِ قرآن کی ذمّہ داری

اب کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہم اس خلا کو پُر کریں۔ اس کے لئے سب سے پہلے ہمیں یہ شعور ہونا چاہیئے کہ ہم کون ہیں اور ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ ؎ اپنی خودی پہچان! او غافل مسلمان!! ہم تو دراصل اس آخری اور کامل ہدایت کے امین ہیں اور ہمارے ذمہ ہے اس کو دوسروں تک پہنچانا' اس کو سامنے لانا' اس ہدایت کا عملی نمونہ

پیش کرنا۔ اس کام کے سب سے بڑھ کر ذمہ دار ہم تھے' لیکن ہم نے اس کام سے پہلو تہی کی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم پر عذابِ الٰہی کے کوڑے پڑنے شروع ہو چکے ہیں۔ چنانچہ جو کچھ سپین میں ہوا کس کو یاد نہیں' جبکہ عربوں کا خاتمہ ہوا۔ اس قسم کی ہماری تمام سزاؤں کا سبب ہمارا ایک وہ جرم ہے کہ ہم نے اس سائنسی علم کا دروازہ اپنے اوپر بند کیا' اپنے تصورات کو محدود کیا' دین کو مذہب بنایا' علم کو صرف علمِ دین کی حد تک محدود کیا' دوسرے علم کو گویا ہم نے سیکولر علم قرار دے کر اپنے دینی تصورات سے خارج کر دیا۔ اس سے بڑا ہمارا دوسرا جرم یہ تھا کہ جس آسمانی ہدایت کے ہم دوسروں تک پہنچانے کے ذمہ دار تھے نہ صرف یہ کہ ہم نے اسے دوسروں تک نہیں پہنچایا بلکہ ہم نے اس کو خود پیٹھ دکھائی' خود اس کو اپنا امام نہیں بنایا' خود اس کو اپنا رہنما نہیں بنایا اور دوسروں تک پہنچانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

اگر میری یہ تشخیص درست ہے' تو پھر اس کا حل کیا ہے۔ پہلے تو یہ کہ ہم اپنی ذمہ داری کو پہچانیں۔ ظاہر ہے کہ جس کا جتنا بڑا رتبہ ہے اس کی اتنی ہی بڑی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ پہلو تہی کرے تو اتنی ہی سخت سزا کا مستوجب ہوتا ہے۔ اگر کم تر درجہ کی ذمہ داری ہے اور کوتاہی ہو گئی ہے تو کم تر درجہ کی سزا کفایت کر جائے گی۔ لیکن جن کا رتبہ بڑا ہے ان کے لئے سزا بھی بڑی ہو گی ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے!

ہم اس آسمانی ہدایت (Divine Message) کے Custodian ہیں' ہم رحمۃٌ للعالمین ﷺ کی رحمۃٌ للعالمینی کے امین ہیں' لہٰذا پہلا کام تو ہمارے سامنے یہ ہے کہ اس علم کو دوبارہ مسلمان کیا جائے جسے Islamization of Knowledge کہا جا سکتا ہے۔ اقبال نے بڑی پیاری بات کہی تھی ؎

عشق کی تیغِ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!

عشق سے مراد یہاں ایمان ہے۔ ایمان کی وہ تیغِ جگر دار اس نیام میں سے نکال لی گئی ہے۔ نیام خالی رہ گئی ہے۔ یہ پورا سائنسی علم اُس خالی نیام کی مانند ہے جس میں عشق کی تلوار اگر شامل کر دی جائے تو سارے مسائل کا حل ہو جائے گا۔ چنانچہ پہلا کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ فلسفہ' وہ حکمت' وہ علم جو انسان نے اپنی سمجھ بوجھ کے ذریعہ سے حاصل کیا اُس کا

صحیح ربط و تعلق قائم کیا جائے اُس علم سے جو وحی کے ذریعہ انسان تک پہنچا۔ گویا ضرورت ان دونوں علوم کو آپس میں reconcile کرنے اور ان کے فصل و بُعد کو دُور کرنے کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں علوم میں کوئی بعد ہے ہی نہیں۔ مورس بکائی نے "بائبل' قرآن اور سائنس" کے نام سے پوری کتاب لکھ دی اور ثابت کیا کہ آج تک سائنس کے کسی بھی شعبہ میں کوئی ایسی دریافت نہیں ہوئی ہے جس نے قرآن مجید کی بیان کردہ کسی شے کو غلط ثابت کیا ہو۔ یہ قرآن کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

قرآن کے اعجاز کا حضور ﷺ کے زمانے میں سب سے بڑا مظہر یہ تھا کہ عربوں کے ہاں بڑے بڑے فصیح و بلیغ خطیب و شاعر موجود تھے' قرآن نے چیلنج دیا' جو آج تک قائم ہے' کہ اس قرآن جیسا کلام بنا کر لے آؤ' اگر تمہارا خیال ہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں' محمد ﷺ کا اپنا خود ساختہ کلام ہے' تو تم بھی بنا کر لے آؤ ﴿ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ ﴾ لیکن اس چیلنج کے جواب میں کوئی جھوٹ موٹ بھی سامنے نہیں آیا کہ آکر دعویٰ کرتا کہ یہ کلام قرآن جیسا ہے۔ اسی طرح آج کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے چودہ سو برس قبل ایسے حقائق بیان کئے جو آج اس سائنسی دور میں آکر ثابت ہوئے ہیں کہ وہ تمام حقائق بعینہٖ ایسے ہی ہیں جیسے قرآن پاک نے بیان کئے ہیں۔ آپ کے علم میں ہو گا کہ ٹورنٹو (کینیڈا) کی یونیورسٹی میں علم الجنین (Embriology) کا سب سے بڑا ماہر' جس کی علم الجنین سے متعلق ٹیکسٹ بک پوری دنیا میں رائج ہے' حیران رہ گیا کہ چودہ سو برس قبل جبکہ ابھی نہ تو مائیکرو سکوپ کا کوئی وجود تھا اور نہ ہی لوگ dissection سے واقف تھے' Embriology کے stages کے بارے میں اس قدر درست معلومات پوری تفصیل سے بیان کی گئیں اور یہاں تک بتایا گیا کہ بچہ جو ہے وہ ماں کے پیٹ میں تین جھلیوں کے اندر' تین دیواروں کے اندر ﴿ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ﴾ پرورش پاتا ہے۔ اسی طرح یہ جو فزیالوجی (Physiology) اور اناٹومی (Anotomy) ہے ابھی اس کا علم بھی انسان کو نہیں تھا' پھر قرآن میں یہ حقائق کیسے آئے؟ اس لئے کہ قرآن کا دعویٰ ہے ﴿ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ "ہم عنقریب انہیں دکھائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں بھی اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ یہ قرآن حق ہے"۔ پہلے ہمیں ان حقائق کو سامنے لانا ہے۔ پھر یہ کہ قرآن کے

حکمت و فلسفہ اور ایمان کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے' جس کو کبھی مولانا رومؒ نے کہا تھا ۔

چند خوانی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں!

یعنی کب تک یونانیوں کی حکمت اور فلسفہ پڑھتے رہو گے' کبھی قرآن کا فلسفہ اور قرآن نے جو حکمت سکھائی ہے اسے بھی پڑھو۔ ایک علم Revealed Knowledge ہے' دوسرا Acquired Knowledge ہے' ان دونوں کے درمیان ربط قائم ہونا چاہئے جو علم کلام کا موضوع رہا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ ایک نئے علمِ کلام کی بنیاد رکھی جائے۔ اس لئے کہ وہ قدیم علم کلام فلسفہ کے حوالہ سے تھا جس کی بنیاد منطق تھی۔ آج ایسے علمِ کلام کی ضرورت ہے کہ انسان نے جو سائنسی حقائق دریافت کئے ہیں ان کے ساتھ قرآن مجید اور اس کی تعلیمات کا صحیح صحیح ربط و تعلق قائم کرے۔ اس سے یہ خلا (Gap) ختم ہو گا اور انسانی علم کے اندر بجائے ثنویت کے ایک توحید کا رنگ پیدا ہو گا۔ ایک بڑی سادہ سی مثال میں آپ کو دے رہا ہوں' ایک بڑے نیک نوجوان تھے' انہوں نے ایم ایس سی (باٹنی) کیا تھا اور مذہب کے لئے بڑے جوش و خروش سے کام کرنے والے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا' آپ کا کیا خیال ہے ڈارون کے نظریہ کے بارے میں؟ کہنے لگے کفر ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے وہ کفر تو ہے' لیکن آپ نے جو ایم ایس سی (باٹنی) کیا ہے مجھے تو اس حوالہ سے بتایئے کہ بیالوجی کی فیلڈ میں ڈارون کی تھیوری کے لئے جو دلائل دیئے گئے ہیں' اس کے لئے جو ثبوت دیئے گئے ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو یقین مانئے' ان کا جواب یہ تھا کہ وہ تو بہت وزن رکھتے ہیں۔ یہ ہے وہ منقسم شخصیت (Split Personality) کہ ایم ایس سی باٹنی میں جو کچھ پڑھا ہے اس کی رو سے وہ سمجھ رہے ہیں کہ ڈارون کا نظریہ ارتقاء ہے تو بڑا convincing لیکن ہے کفر۔ یعنی دماغ کے ایک گوشے میں عقیدہ کچھ ہے' جبکہ دوسرے گوشے میں قائل کسی دوسرے نظریئے سے ہیں۔ اس طرح کی منقسم شخصیت دنیا میں کوئی کام نہیں کر سکتی' بلکہ ایک مجتمع شخصیت (Composed Personality) جو ایک وحدتِ نظریہ کی قائل ہو وہی کوئی بڑا کام کر سکتی ہے' جس کو قرآن نے کہا ہے ﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ﴾ اے نبی ﷺ کہہ دو' یہ میرا راستہ ہے' میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں'

اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں نہیں مار رہا ہوں۔ نہ صرف مَیں بلکہ میرے ساتھی جو میرا اتباع کر رہے ہیں وہ بھی علیٰ وجہ البصیرت دونوں آنکھوں سے راستہ دیکھ کر چل رہے ہیں اور اس راستے کی طرف دوسروں کو بلا رہے ہیں۔

ہمارا پہلا مسئلہ تو یہ ہے' جو ہمارے لئے بہت بڑا چیلنج ہے کہ مسلّمہ سائنسی حقائق اور قرآنی علم میں مطابقت ثابت کی جائے۔ الحمدللہ اس ضمن میں اللہ نے ہم سے کام لیا ہے۔ چنانچہ "نظریۂ ارتقاء اور قرآن حکیم" پر میرے کیسٹ موجود ہیں۔ اسی طرح ہمیں اس فیلڈ میں مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عمرانی علوم (Social Sciences) میں انسان نے جو سماجی ترقی کی اور جو سماجی' معاشی اور سیاسی ادارے (Institutions) قائم کئے ہیں' ان کا تجزیہ کر کے صحیح اور غلط کو الگ کیا جائے اور ان کا جو حصّہ دین سے متصادم نہیں ہے اس سے استفادہ کیا جائے۔ اسی طرح ریاست کا تصوّر (Theory of State) ہے' ریاست کے مددگار شعبے (Organs) ہیں' جن میں انتظامیہ (Executive) عدلیہ (Judiciary) اور مقنّنہ (Legislature) ہے۔ ریاست کا چوتھا ستون شعبہ صحافت کو کہا جاتا ہے' لیکن تین بنیادی ہیں۔ چنانچہ نوعِ انسانی نے جیسے سائنٹیفک ترقی کی ہے اسی طرح عمرانی ترقی بھی کی ہے اور اس کے لئے انسان نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ ہم تو خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد پھر ملوکیت کے دامن میں آ گئے تھے' کہ وہی بادشاہت اور وہی محلات۔ یہ تو یورپ والوں نے خون دیا ہے' جانیں دی ہیں' انہوں نے جدوجہد کی ہے' تب بادشاہوں کے شکنجوں سے اپنے آپ کو چھڑایا ہے۔ پھر یہ ادارے قائم کئے ہیں۔ لیکن ان اداروں کو یا تو ہم بالکل ایک مرعوب ذہنیت کے ساتھ جوں کا توں قبول کر رہے ہیں' یا کلی طور پر مسترد کر رہے ہیں' حالانکہ دونوں چیزیں غیر منطقی ہیں۔ درست طرزِ عمل یہ ہے کہ اس میں تجزیہ کرنا ہو گا' کیا صحیح ہے کیا غلط ہے۔ کیا چیز دین کے ساتھ موافق (Compatible) ہے کیا نہیں ہے۔ پھر اس کی بصیرت فراہم کرنا ہو گی کہ سود حرام ہے تو کیوں حرام ہے' اس کی قباحتیں کیا ہیں' یہ کس طور سے معاشرہ کے اندر عدم توازن پیدا کرتا ہے اور کس طریقہ سے ارتکازِ دولت پیدا کرتا ہے جس کے نتیجے میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ آخر اشتراکی نظام (Communism) یونہی تو نہیں آ گیا تھا۔ It was not a bolt from the blue یہ سرمایہ داری کا ردِّ عمل تھا۔

اور اگر یہ ننگا کیپٹل ازم اسی طرح جاری رہا تو پھر کسی اور رد عمل کو جنم دے گا۔ یوں اسی کی کوکھ سے کوئی اور anti thesis وجود میں آجائے گا۔ گویا انسان اس نظام کی تلاش میں ہے جو بایں الفاظ وہ کامل نظام ہے جو قرآن نے دیا ہے۔ اس اعتبار سے اس حامل قرآن اُمت کا دوسرا فرض یہ ہو گا کہ جہاں ایک طرف ایمان کے حقائق کا سائنٹیفک معلومات کے ساتھ ایک ربط و تعلق قائم کرے' وہاں دوسری طرف ان عمرانی علوم کا تجزیہ کرلے کہ ان میں غلط کیا ہے جس کو ان میں سے دور کرنا ضروری ہے۔ اور انسان نے ان علوم میں جو ترقی کی ہے ان میں جو بات آسمانی ہدایت کے مطابق ہے اسے لے لیا جائے' جو غلط ہے اسے چھوڑ دیا جائے۔ انجمن خدام القرآن انہی خطوط پر کام کر رہی ہے۔

ہم اور ہمارا کام

یہ کام میں نے ۱۹۶۵ء میں لاہور سے تن تنہا شروع کیا تھا۔ میں سات سال تک اس سفر میں تنہا تھا ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
راہ رو ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا!

سب سے پہلے "دارالاشاعت اسلامیہ" قائم ہوا۔ اُس وقت بھی میں اکیلا تھا۔ یہ وہ دَور تھا جب "ہے مشقِ سخن جاری اور چکی کی مشقّت بھی" کے مصداق میں اپنا profession بھی لے کر چل رہا تھا' نبضیں بھی دیکھ رہا تھا' نسخے بھی لکھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ حلقہ ہائے مطالعہ قرآن بھی قائم ہو رہے تھے۔ پھر اس کے بعد مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۷۲ء میں قائم ہوئی۔ اس کے تحت پھر ہم نے قرآن اکیڈمی قائم کی۔ اسلئے کہ میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قرآن کا طالب علم بنایا جائے۔ قرآن اکیڈمی کا یہ Concept میں نے ۱۹۶۷ء میں پیش کیا تھا۔ دس سال بعد ۱۹۷۷ء میں اس کا آغاز ہوا۔ یہاں اب تک ایم بی بی ایس' ایم ایس سی' ایم اے اور پی ایچ ڈی حضرات نے عربی پڑھی ہے' قرآن پڑھا ہے۔ ایک ٹیم تیار ہو چکی ہے جو اَب اسی نہج پر دعوت رجوع الی القرآن کے کام کو آگے چلا رہی ہے۔ اس ایک اکیڈمی سے جو ہم نے لاہور میں شروع کی تھی کئی اکیڈمیز قائم ہو چکی ہیں۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ

روئے ارضی کی کُل مسجدیں کعبہ کی بیٹیاں ہیں' اسی طریقہ سے یوں سمجھئے کہ اس اکیڈمی کے بطن سے جنم لے کر ایک اکیڈمی کراچی میں کام شروع کر چکی ہے' ایک ملتان میں قائم ہو چکی ہے اور ایک فیصل آباد میں ہے۔ بہرحال ایک کام یہ چل رہا ہے' جس میں ہم نے قرآن کالج بھی قائم کر لیا ہے۔ گریجویشن کے ساتھ ساتھ یہ کالج قرآن کی بنیادی تعلیم بھی فراہم کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہم نے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس بھی شروع کیا ہے کہ تعلیم یافتہ لوگ قرآن اور عربی سیکھ کر اس کام کو آگے بڑھائیں۔ باقی میرے دروس اور تقریروں کے کیسٹ اور ابلاغ کا جو بھی جدید سلسلہ ہے' اسے ہم قرآن کی حکمت عام کرنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ ضیاء الحق صاحب کے زمانہ میں پندرہ مہینے "الہدیٰ" کے نام سے ایک پروگرام ٹیلیویژن پر جاری رہا' اس سے تعارف بڑے وسیع حلقہ میں ہو گیا۔ بہرحال ہمارے جو بھی میسر ذرائع ہیں ہم انہیں بروئے کار لا کر اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اصل مقصد کیا ہے؟ وہی کہ جو Gap ہے دونوں علموں کے درمیان' ان کو قریب لانا' ان کو آپس میں جوڑ دینا' ان میں ثنویت کو ختم کر کے ان کے اندر توحید کا ایک رنگ پیدا کرنا۔

اور تیسری اور آخری بات میں عرض کروں گا' ہمارے لئے اس کام کے علاوہ سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ اس نظام کو ایک حیاتیاتی اکائی (Organic Whole) کی حیثیت سے قائم کر کے اس کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس کو قائم کرنے کے لئے ایک انقلابی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ میں یہاں آپ حضرات سے پاکستانیوں کی حیثیت سے مخاطب ہوں' صرف بتا رہا ہوں' یہاں یہ باتیں کرنے کی نہیں ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ یہاں پر باہر کے آئے ہوئے لوگ اور کوئی کام کر بھی نہیں سکتے۔ اُن کے اپنے مسائل ہیں' اپنی ذمہ داریاں ہیں۔ لیکن پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا' اگرچہ وہ اپنی منزل کو بھول گیا' لیکن کوئی کوشش ہو کہ "کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو" کسی طرح سے اسے یاد آئے کہ یہی تھی وہ اصل منزل جس کے لئے اتنی جانیں قربان کی گئیں' اتنی عصمتیں لٹیں' اتنے بڑے پیمانے پر تبادلہ آبادی ہوا۔ بحیثیتِ اُمّتِ مسلمہ یہ ہماری Activity کا دوسرا پہلو ہے۔ چنانچہ تنظیم اسلامی کے نام سے اللہ نے ہمیں ایک انقلابی جماعت قائم کرنے کی توفیق بھی دی ہے' جو کوئی زیرِ زمین جماعت نہیں ہے' کھلم

کھلا اس نظام کو قائم کرنے کی جدّوجُہد کر رہی ہے' اس لئے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے ماڈل ہیں ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ آپ کا کوئی کام زیر زمین نہیں تھا' جو کام کیا سامنے کیا' کھل کر کیا۔ اگر کہا ہے کہ یہ بُت جو ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں توڈ نکے کی چوٹ کہا ہے۔ اس جدوجہد میں تشدد جھیلا ہے' صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ پھر جو بھی جدوجہد ہوئی ہے وہ خالص انسانی محنت' مشقت' قربانی اور جہد و کوشش پر مشتمل تھی' یہ کام معجزات سے نہیں ہوا۔ یہ بھی نوٹ کیجئے اگر معجزات ہوتے تو شاید مسلمانوں کا مزاج کچھ اور ہوتا۔ بنی اسرائیل معجزات کے عادی ہو گئے تھے' آگے سمندر آگیا' پیچھے فرعون ہے' عصا کی ایک ضرب لگی سمندر پھٹ گیا' راستہ بن گیا' تو جب مرحلہ آیا جنگ کا تو انہوں نے کہا : ﴿ يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ﴾ "اے موسیٰؑ! ہم تو وہاں کبھی نہیں جائیں گے جب تک وہ وہاں موجود ہیں' بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور جنگ کرو' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔ حضورؐ کے ہاں یہ نہیں ہوا۔ حضور ﷺ نے قدم قدم پر اپنا خون پیش کیا ہے۔ آپؐ کا خون طائف میں بھی جذب ہوا ہے اور دامنِ اُحد میں بھی گرا ہے۔ دندانِ مبارک شہید ہوئے ہیں۔ حضرت حمزہؓ سمیت سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے جانیں دی ہیں۔ بہرحال وہ ایک خالص انسانی جدّوجُہد تھی۔

اس کے ضمن میں پاکستان میں اس نہج پر جدوجہد کرنے کے لئے ہم نے دینی جماعتوں کی بڑی خوشامدیں کی ہیں کہ اس الیکشن کے دھندے سے علیحدہ ہو جاؤ' اس سے کچھ نہیں ملے گا' یہ ہمارے جاگیرداروں کا کھیل ہے' ان کا والی بال یا فٹ بال کا میچ ہے' تم خواہ مخواہ کبھی اِدھر ہو کر کبھی اُدھر ہو کر اپنی عزت کا بھی دھیلہ کرواتے ہو اور اسلام کی عزت کو بھی بٹہ لگاتے ہو۔ آؤ باہر احتجاجی تحریک شروع کرو تاکہ پاکستان کی منزل نفاذِ اسلام کی طرف پیش رفت ہو سکے۔ بہرحال ہم نے تنظیم اسلامی کے تحت اس جدّوجُہد کا آغاز کر دیا ہے' جس کے سامنے نصب العین یہ ہے کہ اولاً ملک میں دین قائم کیا جائے اور بعد میں کُل روئے ارضی پر خلافت قائم کی جائے۔ وہ خلافت جو مسلمانوں کو مجتمع کر دے۔ آپ اس کام میں تعاون کیجئے' اس میں ہمارا ہاتھ بٹائیے' ہمارے دست و بازو بنیئے۔ یہ ہماری دینی ذمہ داری بھی ہے اور نجاتِ اخروی کا ذریعہ بھی۔

اقول قولی ھٰذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المُسلمین والمُسلمات○○

قرآنیات

تاثیرِ قرآن

ڈاکٹر طاہرہ بشارت[1]

قرآن حکیم ہمیشہ کے لئے انسانوں کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے ایک الٰہی منشور اور شاہکار ہے۔ قرآن پاک نور ہے' ہدایت ہے' رحمت ہے اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔ قرآن پاک کا پڑھنا گویا اللہ سے ہم کلام ہونا ہے۔ اور جو لوگ عربی زبان نہ جانتے ہوں وہ بھی اس کی صوتی خوبیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انہیں بھی اس کے روحانی اثرات سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور مل جاتا ہے' کیونکہ اثر الفاظ و معانی کے علاوہ کہنے والے کی شخصیت پر موقوف ہے' ورنہ وہی الفاظ ایک کی زبان یا قلم سے نکلیں تو بے اثر ہوتے ہیں اور کسی دوسرے کی زبان یا قلم سے نکلیں تو دلوں کو گرما دیتے ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں۔

قرآن سن کر حضور ﷺ کی کیفیت

حضرت سالم رضی اللہ عنہ ایسی خوش الحانی سے قرآن پڑھتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تلاوت سننے کے لئے اپنے حجرے میں جاتے جاتے رک گئیں۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو چادر مبارک سنبھالتے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا "تعریف اُس خدا کی جس نے میری اُمّت میں تمہارے جیسے آدمی کو پیدا کیا ہے"۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ نے فرمایا :

اِقْرَأْ عَلَيَّ الْقُرْاٰنَ' قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ' قَالَ اِنِّيْ اَشْتَهِيْ اَنْ اَسْمَعَهٗ مِنْ غَيْرِيْ ' قَالَ فَقَرَاْتُ النِّسَاءَ حَتّٰى اِذَا بَلَغْتُ ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ ﴾ قَالَ لِيْ كُفَّ — اَوْ اَمْسِكْ — فَرَاَيْتُ عَيْنَيْهِ تَذْرِفَانِ يَعْنِيْ تَسْفَحَانِ[2]

---

[1] اسسٹنٹ پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی لاہور

"میرے سامنے قرآن مجید پڑھو۔" انہوں نے عرض کی : اے اللہ کے رسولؐ ! میں آپؐ پر قرآن کیسے پڑھوں جب کہ قرآن آپؐ پر نازل ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا : "میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے علاوہ دوسروں سے قرآن سنوں۔" حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں پھر میں نے سورۃ النساء پڑھی یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچا ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ ﴾ (پھر سوچو کہ اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمہیں (یعنی محمد ﷺ کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔) تو آپؐ نے فرمایا رک جاؤ' تو میں نے دیکھا کہ آپؐ کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔"

فاروق اعظمؓ پر قرآن کا اثر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زمانہ کفر میں کتنے سخت تھے' مگر سورۂ طٰہٰ کی چند آیات سن کر ان کی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگتے ہیں' اور دل میں کفر کی جو بھٹی دہک رہی تھی سیلاب اشک سے سرد پڑ جاتی ہے' قلب نورِ ایمانی سے منور ہو جاتا ہے اور سیدھے آستانۂ نبوت پر جا کر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں۔ (۳)

علامہ اقبال نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

ز شامِ ما بروں آور سحر را ۔۔۔ بہ قرآن باز خواں اہل نظر را
تو می دانی کہ سوزِ قرأتِ تو ۔۔۔ دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را!!! (۴)

ایک تقدیر عمرؓ کے دگرگوں ہونے سے تاریخ نے کیسا سنہری ورق حاصل کرلیا۔ آہ وہ سوزِ قراءت کہاں ہے جس نے تقدیر عمرؓ کو دگرگوں کیا۔

قرآن سننے کے لئے فرشتوں کی حاضری

بخاری شریف میں حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ ایک دفعہ آپؓ نمازِ تہجد میں سورۃ البقرۃ کی تلاوت کر رہے تھے کہ اچانک ان کا گھوڑا' جو قریب بندھا ہوا تھا' بدکنے لگا۔ وہ خاموش ہوئے تو گھوڑا رک گیا' پھر تلاوت شروع کی تو اسی طرح گھوڑا پھر بدکنے لگا۔ نماز سے فارغ ہوئے اور سر اوپر اٹھا کر دیکھا تو ایک سائبان نظر آرہا تھا' جس میں بہت سی شمعیں روشن تھیں۔ آنحضرت ﷺ سے عرض کی تو آپؐ نے فرمایا : ((تِلْكَ

الْمَلَائِكَةَ دَنَتْ لِصَوْتِكَ...))[۵] "یہ فرشتے تھے جو تمہاری تلاوت کی آواز سننے کے لئے قریب ہو گئے تھے۔ اگر تم برابر پڑھے جاتے تو عجیب و غریب مناظر دیکھتے' اور لوگ اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو انسانی شکل میں دیکھ لیتے۔"

کُفّار پر قرآن کی دہشت

قرآن مجید کی اثر انگیزی نے کفار کو اس قدر دہشت زدہ کر رکھا تھا کہ وہ اس کی آواز کے کانوں میں پڑنے سے ڈرتے تھے اور یہ کہتے تھے :

﴿ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ ﴾

(حٰمٓ السجدة : ۲۶)

"اس قرآن کی طرف توجہ نہ دو اور شور ڈالو' تاکہ غالب آجاؤ۔"

جذبات کی عکاسی

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت و سماعت آنکھوں کو اشکبار بھی کرتی ہے' لبوں پر موجِ تبسّم بھی ابھارتی ہے۔ اور خشیت و محبّت کی ملی جلی کیفیت بھی پیدا ہوتی ہے جو آدمی کو رحمت و غفاریت کے سہارے غیر ذمہ دار اور فرض ناشناس نہیں ہونے دیتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ﴾ (الزمر : ۲۳)

"اللہ تعالیٰ نے بہترین کتاب کی صورت میں اتاری جو آپس میں ملتی جلتی اور دہرائی ہوئی ہے۔ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں' پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر نرم ہو جاتے ہیں۔"

عُتبہ پر قرآنِ کریم کا اثر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حرمِ کعبہ میں قریش کے سرداروں کی محفل جمی ہوئی ہے۔ عتبہ' ابو جہل اور ابو سفیان جیسے اکابر شریک ہیں۔ ان کے چہروں سے پریشانی اور تردد کے آثار نمایاں ہیں۔ گفتگو کا موضوع ہے حضرت محمد ﷺ' قرآن کریم' آپؐ کی دعوت و

تبلیغ' آپؐ کے ساتھی' نئے دین کو ماننے والے اور اپنے آباء واجداد کے مذہب کے باغی۔ وہ سوچتے ہیں کہ ان کو کیسے دبایا جائے' ہم ہر حربہ استعمال کر چکے ہیں' لیکن کیا مجال ہے کہ یہ لوگ باز آئیں۔ محمد ﷺ کی لگائی ہوئی آگ بڑھتی جا رہی ہے۔ اب اس کو روکنے کی ایک صورت یہ رہ گئی ہے کہ اسے لالچ کے دام میں پھانسا جائے اور دولت' عزت' شہرت اور حسن کے سبز باغ دکھانے چاہئیں۔ عتبہ نے کہا۔ "ہاں! یہ ترکیب ٹھیک ہے' اچھا میں جاتا ہوں۔" سب مطمئن ہو گئے کہ عتبہ معمولی آدمی نہیں۔ چرب زبان' فصیح اللسان اور ذہین ہے' ذرا سی دیر میں محمد ﷺ کو رام کر لے گا۔ چنانچہ عتبہ حضور ﷺ کے پاس گیا' حضور ﷺ سے کھل کر بات کی اور ہر قسم کا لالچ دیا۔ جب وہ سب کچھ کہہ چکا تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا "ابو الولید! تم اپنی کہہ چکے؟" بولا "ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا: "اب میری سنو۔" پھر آپؐ نے حٰمٓ السجدۃ کی چند آیات تلاوت کیں:

﴿ حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ : ۱-۵)

"حم۔ یہ بڑی مہربان اور رحمت والی ہستی کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ یہ ایک نوشتہ ہے جس کی ایک ایک آیت بکھری ہوئی ہے' یہ قرآن عربی زبان میں ہے' ایسے لوگوں کے لئے نافع ہے جو دانش مند ہیں۔ (یہ قرآن) ایمان لانے والوں کو بشارت سنانے والا اور انکار کرنے والوں کو تنبیہہ دلانے والا ہے۔ پس ان اہل مکہ میں سے اکثریت نے اس سے روگردانی کی اور وہ سنتے نہیں ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل اس حقیقت کے مخالف ہیں جس طرف تم بلاتے ہو اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ حائل ہے۔ اس لئے تم اپنی جگہ کام کرو ہم اپنی جگہ کام کرتے ہیں۔"

ان آیاتِ قرآنی کے سنتے ہی عتبہ کے حواس جاتے رہے۔ اور اس نے آگے بڑھ کر دہن مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا "محمدؐ! قرابت کا واسطہ' بس کرو"۔ تاثیر کا یہ عالم تھا کہ گھر گیا اور دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا' پھر سردارانِ قریش سے کہا کہ "بخدا میں نے ایسا

کلام سنا کہ کبھی اس سے پہلے نہ سنا تھا۔ خدا کی قسم! نہ یہ شعر ہے' نہ جادو' نہ منتر۔ اے سردارانِ قریش! میری بات مانو اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلام کچھ رنگ لا کر رہے گا"۔ قریش کے سردار اس کی یہ بات سنتے ہی بول اٹھے : "لو عتبہ پر بھی اس کا جادو چل گیا۔" عتبہ نے کہا میری جو رائے تھی وہ میں نے تمہیں بتا دی' اب تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو۔"(۶)

نجاشی شاہِ حبش پر قرآن کا اثر

نجاشی رضی اللہ عنہ شاہ حبش کے دربار میں جب حضرت جعفر طیّار رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم تلاوت کی تو اس پر رقت طاری ہو گئی اور وہ اتنا رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ قرآن مجید میں ہے :

﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ ﴾ (المائدۃ : ۸۳)

"اور جب اس کتاب کو سنتے ہیں جو (سب سے آخری) پیغمبرؐ پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں' اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی۔"

وہ بے ساختہ کہنے لگا : "خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل کا کلام دونوں ایک ہی چراغ کی روشنیاں ہیں"۔(۷)

ولید بن مغیرہ پر قرآن کا اثر

ولید بن مغیرہ قریش کے رؤساء میں بڑی شخصیت کا مالک تھا اور بہت نامور زبان دان تھا۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ "قرآن کی کچھ آیات تو سنائیے' میں بھی سنوں آپؐ پر کیا وحی آ رہی ہے؟" حضور ﷺ نے چند آیات پڑھ کر سنائیں۔ اس نے دوبارہ پڑھوا کر سنیں تو بے تاب ہو کر کہنے لگا کہ :

"خدا کی قسم! اس میں تو کچھ اور ہی شیرینی اور تازگی ہے' اس کے نخل کی شاخوں میں پھل ہیں اور اس کا تنا بھاری ہے۔ یہ ہرگز کسی انسان کا کلام نہیں۔ خدا کی قسم' محمدؐ کے کلام میں ایک عجیب حلاوت اور شیرینی ہے۔ اس قول کی جڑ نہایت

تر و تازہ اور اس کی شاخیں ثمردار ہیں۔" (۸)

قبیلہ بنو ذھل کے سردار پر اثر

کتاب الروض الانف میں لکھا ہے کہ عرب کے ایک مشہور قبیلہ بنو ذھل بن شیبان کے نامور سردار کے سامنے نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کی سورۃ الانعام کی چند آیات پڑھیں تو وہ انگشت بدنداں رہ گیا۔ اور کلامِ الٰہی کی ظاہری اور معنوی خوبیوں نے اسے مسحور کر کے رکھ دیا۔ (۹)

جبیرؓ بن مطعم پر اثر

حضرت جبیرؓ بن مطعم بھی بدر کے قیدیوں میں آئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مغرب کی نماز میں سورۂ طور کی تلاوت فرما رہے تھے، میں کان لگا کر سن رہا تھا، جب آپ ان آیات پر پہنچے :

﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ○ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ○ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ○ ﴾ (الطور : ۳۵-۳۷)

"کیا یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ یا انہوں نے ہی زمین و آسمان بنائے ہیں؟ اصل بات یہ ہے یہ لوگ یقین ہی نہیں کرتے۔ کیا تمہارے پروردگار کے خزانے ان کے قبضہ میں ہیں یا یہ کوئی حکمران ہیں؟"

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "یہ آیات سن کر میری حالت ایسی ہو گئی کہ گویا میرا دل اڑا جا رہا ہے"۔ (۱۰)

قبیلۂ غفار کے شاعر انیس پر اثر

قبیلہ غفار کے ایک ممتاز اور نامور شاعر انیس نبی کریم ﷺ کے دعوائے نبوت کا شہرہ سن کر خفیہ طور پر مکّہ معظّمہ پہنچتے ہیں۔ آپ کی زبانِ مبارک سے چند آیات سن کر اُسی وقت واپس ہو جاتے ہیں اور اپنے بھائی سے جا کر کہتے ہیں : "لوگ آپ ﷺ کو شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں۔ میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے، لیکن یہ کاہنوں کا کلام نہیں۔

میں نے آپؐ کے کلام کو شعر کی اقسام پر پرکھا ہے تو سمجھ گیا ہوں کہ یہ شعر نہیں۔ خدا کی قسم! آپؐ سچے اور لوگ جھوٹے ہیں"۔ (۱۱)

الغرض اس کتاب نے آج سے چودہ سو سال قبل عرب کے وحشی بدّوؤں کو دنیا میں سب سے زیادہ شائستہ، تہذیب یافتہ اور نوعِ انسانی کا ہمدرد بنایا۔ ان کو صحرانوردی اور آوارگی کی زندگی کے اندھیروں سے نکال کر ایک وسیع اور عالمگیر سلطنت کا مالک بنادیا۔ اور ان سلطنتوں کے تخت، جو فرعون، نمرود اور شداد کا نمونہ تھیں، انہی عاجز اور بے سروسامان بندوں کے پاؤں تلے روندے گئے۔ اس طاقت اور اس روحانیت کی بنیاد قرآن پاک کی تعلیم تھی۔ یہ ایمان کی مضبوطی، ارادوں میں بلندی اور دینی و دنیوی ترقی اس نسخۂ کیمیا کا معجزہ تھا جو سرورِ کونین ﷺ الکتاب کی صورت میں اپنے ساتھ لائے۔ مولانا الطاف حسین حالیؒ نے اس کتاب اور اس کی تعلیم کے اثر کو یوں بیان کیا ہے :

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا — اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مسِ خام کو جس نے کندن بنایا — کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا — پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا — اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

(مسدس حالی)

مراجع و مصادر

۱) الاصابہ، تذکرۂ صحابہ رضی اللہ عنہم، تذکرہ سالم رضی اللہ عنہ
۲) صحیح البخاری، باب البکاء عند قراءۃ القران، ج ۲، ص ۷۵۶
۳) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۳۶۶
۴) اقبال، ارمغانِ حجاز، ص ۹۴
۵) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب نزول السکینۃ والملائکۃ عند قراءۃ القرآن
۶) السیرۃ النبویہ ج ۱، ص ۲۱۳، ۲۱۴
۷) السیرۃ النبویہ، باب ارسال قریش الی الحبشۃ ج ۱، ص ۳۶
۸) الروض الانف، ج ۱، ص ۱۷۳
۹) الروض الانف، ج ۱، ص ۱۷۳
۱۰) صحیح البخاری، کتاب التفسیر سورۃ الطور
۱۱) الاستیعاب، ج ۱، ص ۱۱۳

امام غزالیؒ اور تزکیۂ نفس (۳)

ڈاکٹر محمد امین
سینئر مدیر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

○ عواطف

غزالی اور دوسرے مسلمان حکماء نشاطِ وجدانی کی بحث میں جس کو عشق، ھویٰ اور میول کہتے ہیں انہیں ہم آج کی زبان میں عواطف یا جذبات کہتے ہیں۔ عاطفہ اور انفعال میں فرق یہ ہے کہ انفعال فوری تاثر اور ردعمل کو کہتے ہیں جب کہ عاطفہ اس رجحان اور میل کو کہتے ہیں جو کسی انفعال یا کئی انفعالات کے تکرار اور انسانی تعلیم و تجارب پر مبنی انسان کے تاثر اور رجحان پر مبنی ہو، مثلاً جذبۂ اخوت کہ ہر انسان دوسرے انسان کے ساتھ معاشرت کا طبعی رجحان رکھتا ہے، اس کی تکلیف کو کم کرنا چاہتا ہے، اس کی خوشی میں شریک ہوتا ہے، چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتا ہے، بزرگوں کی عزت کرتا ہے وغیرہ (۴۹) یا اللہ کے ساتھ محبت کا جذبہ جو اکتسابی ہے اور طویل عرصے کی محنت سے بتدریج پروان چڑھتا ہے۔ اور اس میں کئی انفعالات شامل ہیں، جیسے اللہ کے وعدوں پر سچا یقین، آخرت میں نعمتوں کے حصول کی توقع یا اللہ کی ناراضگی کا خوف اور اس کے عذاب کا ڈر وغیرہ (۵۰)

انواع العواطف :

عواطف کو کئی انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی ایک اہم تقسیم یہ ہے کہ یہ یا تو حسی اور مادی امور سے متعلق ہوتے ہیں، خواہ وہ امر کسی حیوان سے متعلق ہو یا انسان سے، فرد سے ہو یا جماعت سے، یا غیر مادی اور معنوی امور سے متعلق ہوتے ہیں، جیسے صدق، شرف، امانت، اللہ کی محبت، ظلم سے نفرت وغیرہ۔

امام غزالی کے ہاں عواطف کی تقسیم لذت و الم کے حسی و معنوی ہونے سے ہے، یعنی وہ عواطف جن کا نتیجہ معنوی لذت ہوتا ہے، ان کا ادراک نورِ بصیرت سے ہوتا ہے۔

اس کے برعکس وہ عواطف ہیں جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے اور جن کا نتیجہ حسی لذات ہیں (۵۱)۔ اس کی مثال جذبۂ محبّت ہے۔ محبّت کی بنیاد بہت سے عوامل ہیں' مثلاً انسان کی اپنی ذات سے محبّت' یا اس شخص سے محبّت جو اس کے ساتھ نیکی و احسان کرے' یا اس سے محبّت جو حسین و جمیل ہو' یا اس سے محبّت جس کے ساتھ اس کی طبعی موافقت و موانست ہو (۵۲)۔ غزالی کے نزدیک جذبۂ محبّت کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں انسان کسی شخص یا چیز سے بذاتہٖ محبّت کرے اور اسے دیکھ کر یا اس کے اخلاق کا مشاہدہ کر کے اسے حظ حاصل ہو۔ اب ہر وہ چیز جس سے حظ اور لذت حاصل ہو وہ محبوب ہو جاتی ہے اور اس بارے میں ہماری رائے مثبت اور موافقانہ ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں اس شے کے بارے میں طبیعت میں میلان اور موانست پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال جذبۂ حُبِّ مال ہے۔

محبّت کی دوسری قسم وہ ہے جس میں انسان کسی ذات یا شے سے بذاتہٖ محبّت نہ کرے' بلکہ کسی مقصد اور غایت کی خاطر محبّت کرے۔ محبّت کی اس قسم کی بنیاد' غزالی کے نزدیک' تین غایات ہیں' ایک دُنیوی' دوسرے اُخروی اور تیسرے حُبُّ اللہ۔ اس صورت میں مقصد یا وسیلے سے اس لئے محبّت ہو جاتی ہے کہ وہ اصل محبوب کے حصول یا وصول کا ایک سبب ہوتا ہے' مثلاً مال کی محبّت جو وسیلہ ہے دنیا کی محبّت کا اور دنیا میں عیش و آرام کا۔ حُبِّ آخرت کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے مربّی اور مرشد سے محبّت کرتا ہے تاکہ اس کی مدد سے اپنے اعمال سنوارے اور آخرت میں کامیابی حاصل ہو۔ اللہ کے لئے محبّت کی جتنی شکلیں بھی ہیں وہ سب اس قسم میں شامل ہیں۔ جہاں تک اللہ سے محبّت کرنے کا تعلق ہے تو اس کا تعلق علم و عمل سے نہیں' البتہ یہ ماسوا اللہ تک منتقل ہو سکتی ہے اور انسان ہر اس شے سے محبّت کرنے لگتا ہے جس کا تعلق یا مناسبت محبوب سے ہو۔ اللہ اور انسان کے درمیان تعلق کی بھی ایک اساس' جواز اور مناسبت ہے اور وہ یہ کہ انسان روح اور جسم کا مرکب ہے اور روح امرِ ربی ہے' لہٰذا انسانی روح کا اللہ سے تعلق اور مناسبت قابلِ فہم ہو جاتی ہے۔ (۵۳)

انتقالِ عواطف :

غزالی کے نزدیک تلازم و تشابہ کی بنیاد پر انسانی زندگی میں عواطف کا ایک موضوع

سے دوسرے موضوع اور ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے کی طرف انتقال ممکن ہے' مثلاً جذبۂ حب مال کی جذبۂ بخل میں تبدیلی' کیونکہ انسان مال و دولت سے اپنے بہت سے کام سنوارتا ہے لہٰذا وہ اسے بچانے' محفوظ رکھنے اور خرچ نہ کرنے کا میلان رکھنے لگتا ہے۔ اسی طرح آدمی اگر کسی سے محبّت کرتا ہو اور یہ محبّت شدید ہو تو یہ محبّت ہر اُس چیز تک منتقل ہو جاتی ہے جس سے محبوب کا تعلق یا واسطہ ہو (۵۴)۔ مجنوں کو لوگوں نے دیکھا کہ کبھی اِس دیوار کو چومتا ہے اور کبھی اس سے لپٹتا ہے۔ ایک شخص نے کہا : ان دیواروں میں کیا رکھا ہے؟ کہنے لگا : یہ لیلیٰ کے گاؤں کی دیواریں ہیں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا : اے حجر اسود! تم دوسرے پتھروں کی طرح ایک پتھر ہو (یعنی تم میں دوسرے پتھروں سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں کہ تمہیں چوما جائے)' یہ کہہ کر جھکے' حجر کو بوسہ دیا اور کہا : لیکن تمہیں اس لئے چومتا ہوں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہیں چومتے دیکھا ہے (۵۵)۔

اثرات و نتائج عواطف :

انسانی سلوک اور رویئے میں عواطف اہم کردار ادا کرتے ہیں' کیونکہ یہ انسانی آراء کے بننے' بگڑنے' قوتِ فیصلہ' حافظے' ادراک سب پر اثرانداز ہوتے ہیں اور انسان جس جذبے کے زیر اثر ہو ہر چیز کو اسی نظر سے دیکھتا اور فیصلے کرتا چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انسان اپنے مذہب اور وطن کے معاملے میں کرتا ہے۔ عواطف کا یہ اسلوب یا منطق دو طرح کی ہوتی ہے' ایک منطق انشائی اور دوسرے منطق تبریر۔ منطق انشائی سے غزالی کی مراد وہ منطق ہے جو عقل کو متعلقہ جذبے کی ضرورت پوری کرنے کے وسائل کو عمدگی و تعمیری انداز میں استعمال کرنے میں مدد دے۔ اس کے برعکس منطق تبریر وہ ہے جو سبب انحراف ہو اور متعلق جذبے کی ضرورت پوری کرنے کے لئے تلاشِ وسائل کی بجائے تبریر (براءت' بریٔ الذّمہ قرار دینا) سے کام لے' جیسے ایک سیاسی کارکن غیر جانبداری اور موضوعی انداز سے ملکی مسائل پر غور کرنے کی بجائے اپنی پسندیدہ سیاسی جماعت کے نقطۂ نظر ہی سے ہر مسئلے کو سوچتا چلا جائے۔

جذبات و عواطف انسانی رویئے اور سلوک پر شدت سے اثرانداز ہوتے ہیں' اسے منضبط کرتے ہیں اور ان کے بننے اور بگڑنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ غزالی اس

کی یہ مثال دیتے ہیں کہ اگر کسی ایسے شخص کے سامنے جو اللہ سے محبّت کرتا ہو' دو ایسے آدمیوں کا ذکر کیا جائے جن میں سے ایک عالم اور عابد ہو اور دوسرا جاہل و فاسق' تو اس شخص کا میلان لامحالہ عالم اور عابد کی طرف ہو گا[۵۶]۔ دوسری مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ جذبۂ محبّت ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ آدمی اپنی پسند کو چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کر لیتا ہے جو اُس کے محبوب کو پسند ہو' بلکہ وہ اپنے محبوب کی خاطر تکلیف اٹھانے میں بھی لذّت محسوس کرتا ہے[۵۷]۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دین سے محبّت ہی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی دینی مقاصد کے لئے اپنا سارا مال خرچ کرنے اور اپنی جان تک لڑانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے' بلکہ جان دے کر بھی یہ سمجھتا ہے کہ ابھی حق ادا نہیں ہوا۔

جان دی' دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

○ نشاطِ عقلی

اسے الحیاۃ الادراکیہ یا قوتِ مدرکہ بھی کہا جاتا ہے۔ غزالی اس ضمن میں ادراکِ حسی اور ادراکِ عقلی میں فرق کرتے ہیں[۵۸]۔ ادراکِ حسی وہ ادراک ہے جو قویٰ مدرجہ یعنی حواسِ ظاہری و باطنی کے توسط سے حاصل ہوتا ہے۔ انسان کے علاوہ دیگر حیوانات بھی ادراکِ حسی اسی طرح حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ادراکِ عقلی وہ ادراک ہے جو عقل قویٰ نفس ناطقہ یعنی اعضاء جسمانی کے توسط کے بغیر حاصل کرتی ہے اور یہ خاص انسانوں سے متعلق ہے اور دیگر حیوانات اس خصوصیت سے عاری ہیں۔ اب ہم فکرِ غزالی کے حوالے سے ادراکِ حسی اور ادراکِ عقلی پر مختصر بحث کریں گے۔

○ ادراکِ حسّی

ادراکِ حسی کا آلہ حواسِ خمسہ ظاہری اور حواسِ خمسہ باطنی ہیں۔ حواسِ ظاہری کی بحث غزالی کے ہاں سادہ انداز میں ہے۔ وہ حواسِ ظاہری کو ادراک کے آلات سمجھتے ہیں' جن کا بنیادی ہدف جسم کو اس کی بقاء و حفاظت میں مدد دینا ہے۔ حواسِ ظاہری یعنی چھونا' سننا' دیکھنا' سونگھنا اور چکھنا کی ترتیب بھی' ان کے ہاں کسی فعل میں ان کے کردار کے حوالے سے' مختلف ہوتی رہتی ہے۔ ان حواس کی فعال کارکردگی کے لئے جن

واسطوں کی ضرورت پڑتی ہے غزالی ان کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً سونگھنے اور سننے کے لئے ہوا اور دیکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت۔ وہ ان حواس کی نوعیت میں فرق کرتے ہیں' جیسے لمس کو میکانکی اور چکھنے کو کیمیائی عمل قرار دیتے ہیں' کیونکہ چکھنے کے فعل میں لعابِ دہن اہم کردار ادا کرتا ہے۔(۵۹)

جہاں تک حواسِ باطنی کا تعلق ہے تو یہ بھی غزالی کے نزدیک پانچ ہیں' یعنی حس مشترک' خیال' وھم' ذاکرہ اور مخیلہ' جیسا کہ وہ عموماً اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں(۶۰)۔ تاہم وہ بعض اوقات ان میں کمی بیشی بھی کر جاتے ہیں' مثلاً معیار العلم میں انہوں نے حس مشترک اور خیال کو مدغم کر کے اسے الحاکم الحسی کا نام دے دیا ہے اور قوتِ ذاکرہ کا نام ہی نہیں لیا(۶۱) اور احیاء میں وہم کو حذف کر دیا ہے اور ذاکرہ اور حفظ کا مکرر ذکر کر دیا ہے' وغیرہ(۶۲)۔ امام غزالی حواسِ باطنی پر بحث کرتے ہوئے عموماً ابن سینا کی پیروی کرتے ہیں جس نے بعض تعدیلات کے ساتھ فارابی اور ارسطو کی پیروی کی ہے۔

حواسِ باطنی کی سرگرمیاں چونکہ دماغ سے متعلق ہیں لہٰذا غزالی نے اس وقت تک معلوم طبّی معلومات کی روشنی میں ان سرگرمیوں کیلئے دماغ کے متعلقہ حصوں کی نشاندہی بھی کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حسّ ِمشترک کی جگہ مقدم دماغ یعنی دماغ کے سامنے کے حصے میں اور خیال کی جگہ مقدم دماغ کی تجویف اوّل میں ہے(۶۳) جبکہ وھم اور متخیلہ دماغ کی تجویف اوسط میں ہیں اور ذاکرہ (حافظہ) دماغ کے آخری حصے میں ہے(۶۴)۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر دماغ کے متعلقہ حصوں کو کسی وجہ سے نقصان پہنچے تو مذکورہ ذہنی سرگرمیاں بھی متاثر ہو جاتی ہیں۔ حواسِ باطنی چونکہ ذہنی سرگرمیوں میں اہم کردار ادا کرتے ہیں لہٰذا ان کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل دینا بے جا نہ ہوگا۔

۱) حسّ ِمشترک :

حس مشترک کی نشاندہی ارسطو نے کی تاہم اس کی رائے میں اس کا الگ وجود اور مقام نہ تھا' بلکہ اس کے نزدیک یہ حواسِ خمسہ ظاہری ہی کی ایک مجموعی خاصیت تھی کہ وہ یکجا ہو جاتے تھے تاکہ انہیں قابل ذکر تاخیر کے بغیر قابل فہم معنی پہنائے جا سکیں۔ ابن سینا نے ارسطو کی رائے کی تائید کی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ ایک الگ حس ہے اور اس کا

اپنا ایک مقام اور تشخص ہے۔ غزالی بھی ابن سینا کی رائے کے حامل ہیں۔ ان کے نزدیک اس حس کے تین بڑے کام ہیں۔ ایک 'حواسِ ظاہری سے ملنے والے پیغامات کو جمع کرنا۔ دوم' ان میں فرق کو ملحوظ رکھنا اور سوم' مشترکہ محسوسات کا ادراک کرنا۔ جیسے تعداد' مقدار' حرکت' سکون' شکل وغیرہ' اور ان سب کے نتیجے میں ان کو معنی دینے کی کوشش کرنا جس کی تکمیل ذاکرہ اور تخیل کرتے ہیں [۶۵]۔ غزالی حس مشترک کے وجود پر دو دلیلیں دیتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر ہم کسی روشن چیز کو تیزی سے گول گھمائیں تو روشنی کا دائرہ نظر آتا ہے۔ یہ دائرہ عملاً موجود نہیں ہوتا' صرف ہمارے احساس کی پیداوار ہوتا ہے [۶۶]۔ دوسرے بعض باطنی حواس کا شعور' مثلاً ہمیں بھوک پیاس محسوس ہوتی ہے جب کہ حواسِ خمسہ ظاہری یا عقل سے اس کی کوئی تحریک نہیں ہوتی' لیکن پھر بھی ہم بھوک پیاس محسوس کرتے ہیں۔

۲) الوھم :

حس مشترک کا کام حواسِ ظاہری سے موصول ہونے والے سگنلز کو جمع کر کے مرتب کرنا ہے تاکہ متفرق احساسات مل کر کوئی ایک صورت اختیار کر سکیں۔ اب اس صورت کو معانی کا لبادہ پہنانا اس قوت کا کمال ہے جسے الوھم کہتے ہیں۔ مثلاً بھیڑ کو اس کی بصری حس نے یہ سگنل دیا کہ وہ ایک جانور دیکھ رہی ہے جس کی جسامت کتے جتنی ہے' رنگ مٹیالا ہے' کان کھڑے ہیں' حس شامہ نے بو محسوس کی اور یہ معلومات جب حس مشترک میں پہنچیں تو بھیڑ کو معلوم ہو گیا کہ جو جانور اس نے دیکھا ہے وہ بھیڑیا ہے۔ اب قوتِ وہم نے اسے یہ بتایا کہ یہ بھیڑیا اس کے وجود کے لئے خطرناک ہے لہٰذا وہ بھاگ کھڑی ہوئی [۶۷]۔ بھیڑیئے کو خطرناک سمجھنے والی بات موصول ہونے والے حسی سگنلز میں موجود نہ تھی' یہ اسے قوت وہم نے سمجھائی۔ گویا الوھم وہ حس ہے جو دماغ میں موصول ہونے والے سگنلز کو معانی مہیا کرتی ہے' گو یہ معانی جزوی ہوتے ہیں مکمل نہیں۔ اور ان میں غلطی کا امکان ہوتا ہے جسے بعد میں عقل درست کرتی ہے۔

۳۔ الخیال :

اسے مصورہ بھی کہتے ہیں۔ یہی وہ قوت ہے جو حواسِ ظاہری کے ذریعے موصول

ہونے والے سگنلز کی صورتوں کو ان کے زائل ہونے کے بعد بھی محفوظ رکھتی ہے اور ان کا اعادہ کر سکتی ہے۔ ان صورتوں کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت کی وجہ سے اسے مصورہ بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک دوست ہمیں ملنے آتا ہے اور مل کر چلا جاتا ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد بھی ہم چاہیں تو چشم تصور وا کر کے اس دوست کو ویسے ہی دیکھ سکتے ہیں جیسے ہم نے حقیقی زندگی میں دیکھا تھا۔ اسی لئے شاعر نے کہا ہے ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

صورت سے یہاں مراد یہ ہے کہ حواسِ ظاہری جب کسی مہیّج سے متأثر ہوتے ہیں تو اس کو حرام مغز کے اعصاب کے ذریعے دماغ کو بھجواتے ہیں۔ وہ تاثر جو دماغ کو وصول ہوتا ہے وہ صورت کہلاتا ہے اور مؤثر یا مہیّج کے زائل ہو جانے کے بعد بھی وہ تاثر باقی رہتا ہے۔ دماغ کی جو قوت اسے محفوظ رکھتی ہے اسے خیال یا مصورہ کہتے ہیں۔ مؤثر یا مہیّج کے زائل ہو جانے کے بعد اگر اس صورت کا اعادہ کیا جائے تو عموماً وہ صورت اتنی واضح اور دقیق نہیں ہوتی جتنی اصل میں تھی، لیکن اگر مؤثر یا مہیّج مضبوط ہو تو اعادے کی صورت میں بھی نفس پر اس کے اثرات وہی ہوں گے جو حقیقی زندگی میں تھے۔ مثلاً آپ کے ساتھ اگر کوئی شخص بیٹھا چٹخارے لے لے کر اچار کھا رہا ہو تو آپ کے منہ میں پانی آ جائے گا، یعنی مُنہ سے لعابِ دہن خارج ہونے لگے گا۔ اسی طرح اگر آپ تصور کریں کہ کوئی آپ کے سامنے چٹخارے لے لے کر اچار کھا رہا ہے تو بھی آپ کے منہ میں پانی آنے لگے گا اور لعاب دہن خارج ہونے لگے گا۔ گویا دونوں صورتوں میں نفس پر یکساں نتیجہ مرتب ہو گا۔ صورت کے لفظ سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اس کا تعلق حس باصرہ سے ہے، بلکہ صورت کا تعلق پانچوں حواسِ ظاہرہ سے ہے، یعنی یہ صورت مسموعہ (سنی ہوئی) بھی ہو سکتی ہے اور مشمومہ (سونگھی ہوئی) بھی۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ حس باصرہ کا اعادہ دوسری حسوں کی نسبت زیادہ آسان ہوتا ہے۔[۶۹]

۴) **الذاکرہ :**

یہ وہ قوّت ہے جو ان معانی کو جن کا ادراک قوّت وھم کرتی ہے، محفوظ رکھتی ہے، اس لئے اسے حافظۃ المعانی بھی کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ الخیال اور الذاکرہ میں فرق نہیں

کرتے جس سے خلط مبحث ہوتا ہے۔ الخیال ان صورتوں کا حافظہ ہے جن کے سگنلز حس مشترک حواسِ خمسہ کے ذریعے وصول کرتی ہے، جبکہ الذاکرہ ان معانی کا حافظہ ہے جن کا ادراک قوتِ وہم کرتی ہے [۷۰]۔ گویا الذاکرہ خزانہ (Storage) ہے معانی کا اور الخیال خزانہ ہے احساس کی صورتوں کا۔ تاہم الذاکرہ محض یادداشت اور سٹوریج ہی نہیں ہے بلکہ اس میں بازیافت (Recall) کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔ یعنی مدرکہ کو محفوظ رکھنے کے بعد وہ حسب ضرورت اس کی بازیافت بھی کر سکتی ہے۔

۵) متخیلہ

متخیلہ میں نہ صرف الخیال اور الذاکرہ کی صفات ہوتی ہیں، یعنی وہ حواسِ خمسہ ظاہری سے موصول ہونے والے سگنلز کی تصاویر اور ان کے معانی مدرکہ کو محفوظ رکھتی اور ان کا اعادہ کر سکتی ہے (یعنی یادداشت اور بازیافت کی صلاحیت)، بلکہ اس میں یہ اضافی قوت بھی ہوتی ہے کہ وہ ان صور و معانی کو کسی نئی شکل میں پیش کرے۔ اور یہی فرق ہے متخیلہ اور ذاکرہ میں کہ ذاکرہ محض ان صور و معانی مدرکہ کی بازیافت کر سکتی ہے جو اس کے خزانے میں محفوظ ہوں۔ گویا ابداع اور ابتکار کی صفت متخیلہ کی مرہونِ منت ہوتی ہے جبکہ قوتِ ذاکرہ اس پر قادر نہیں ہوتی [۷۱]۔

امام غزالی نے بازیافت اور نسیان پر بھی بحث کی ہے۔ وہ ان عوامل کا ذکر کرتے ہیں جو بازیافت میں مدد دیتے ہیں، جن میں سرفہرست تکرار کا عمل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تکرار کے عمل سے حواسِ خمسہ ظاہری کے بار بار استعمال سے صور اور معانی کا ادراک نو بہ نو تازہ ہوتا رہتا ہے۔ جس کے نتیجے میں یادداشت اور بازیافت کی صلاحیت بہت بڑھ جاتی ہے اور نسیان کا امکان کم ہو جاتا ہے [۷۲]۔ ذاتی دلچسپی اور وجدانی عوامل بھی یادداشت اور بازیافت کے عمل کو بڑھاتے ہیں، مثلاً ثواب و عقاب کا تصور (جس کی مثال حفظ قرآن سے ہے کہ حفاظِ کرام اتنی بڑی کتاب ایک ایسی زبان میں، جسے وہ عموماً سمجھتے بھی نہیں، یاد کر لیتے ہیں، صرف اس وجہ سے کہ اس سے ثواب کا تصور وابستہ ہے، اور جد و جہد کرتے ہیں کہ یہ بھولے نہیں، کیونکہ اس سے عقاب کا تصور وابستہ ہے۔ یا اس کی مثال مرید کی ہے جو اپنے مرشد کی باتیں بہت دھیان سے سنتا ہے اور انہیں دماغ میں راسخ کر لیتا ہے، کیونکہ ان سے اسے تزکیہ و تربیت میں مدد ملتی ہے جو بالآخر اللہ کی رضا و خوشنودی اور

اللہ کی طرف سے نعمتوں کے حصول کا سبب بنتی ہیں)۔ اسی طرح غزالی کے نزدیک جو چیز بازیافت میں مدد دیتی ہے وہ ان صور و معانی مدرکہ کو تشابہ، تضاد یا مقارنے سے مرتبط کر دینا ہے۔ تشابہ کی مثال یہ ہے کہ آپ نے سیدھے بالوں والا ایک شخص دیکھا تو کسی دوسرے موقع پر سیدھے بالوں والا دیکھا ہوا شخص آپ کو یاد آجائے گا۔ تضاد کی مثال یہ ہے کہ آپ نے ایک بہت خوبصورت شخص دیکھا تو آپ کو ایک ایسا شخص یاد آگیا جو اس کے برعکس بہت بدصورت تھا اور مقارنے کی مثال یہ ہے کہ آپ نے گھوڑے پر سوار ایک شخص کو دیکھا تو اسی گھوڑے پر دوبارہ نظر پڑنے سے وہ آدمی بھی آپ کو یاد آجائے گا۔ (۷۳)

غزالی کہتے ہیں کہ نسیان ہمارے لئے ایک لحاظ سے اللہ کی رحمت ہے کیونکہ اللہ نے اگر ہمارے اندر ناخوشگوار اور تکلیف دہ واقعات کو بھول جانے کی عادت نہ رکھی ہوتی تو ہماری زندگی عذاب بن کر رہ جاتی اور ہم کسی چیز سے لطف اندوز نہ ہو سکتے اور نہ کبھی خوشی منا سکتے، کیونکہ دکھ اور تکلیف کے لمحے کبھی ہمارے ذہن سے محو نہ ہوتے۔ ایسی ہی صورت کے لئے شاعر نے کہا ہے کہ ؎

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا!

اور عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ اللہ ہمارا حافظہ چھین لیتے ہیں۔ یعنی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑے سے بڑا دکھ بھی ہمیں بھولنے لگتا ہے ورنہ تو اس دنیا میں زندگی آزار اور عذاب بن کر رہ جاتی۔ (۷۴)

○ ادراکِ عقلی

پہلے دور کے مسلمان فلاسفہ نے عقل کا تصور حکمائے یونان سے لیا۔ ارسطو نے خالق کو عقل اوّل قرار دے کر پھر نیچے انسانوں اور حیوانوں میں اس کی درجہ بندی کی۔ اسکندر الفرودیسی اور ثامسطیوس نے اس میں حک و اضافے کئے۔ الفارابی اور ابن سینا کے بعد جب غزالی نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تو عقل اوّل والے نظریئے کو حذف کر کے عقل کے باقی تصور کو قبول کر لیا، کیونکہ ان کے نزدیک اس میں کوئی بات خلافِ اسلام نہ تھی اِلّا یہ کہ اپنی متصوفانہ تحریروں میں وہ عقل کے بجائے قلب کی اصطلاح زیادہ استعمال

کرتے ہیں۔ متکلمانہ اثرات کے تحت بعض اوقات وہ عقل کی بعض دوسری تفہیمات بھی سامنے لاتے ہیں۔ مثلاً معیار العلم میں انہوں نے عقل کی آٹھ اقسام بیان کی ہیں[۷۵]۔ لیکن ادراکِ عقلی کے حوالے سے وہ عقل کی پانچ قسمیں کرتے ہیں :

۱) العقل الغریزی یا الہیولانی :

یعنی نفس کی وہ قوت جس سے وہ اشیاء کی ماہیت بطورِ صورت قبول کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں حصولِ علم و معرفت کی فطری استعداد، جیسے انسانی بچے میں یہ خفتہ صلاحیت کہ وہ لکھ سکتا ہے۔ اسے غریزی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جبلت کی طرح انسان میں موجود ہوتی ہے اور اسے ہیولانی اس لئے کہتے ہیں کہ ہیولیٰ کی طرح اس کی اپنی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن یہ ہر صورت کو قبول کر سکتا ہے۔[۷۶]

۲) العقل بالملکہ یا العقل الضروری :

اس سے مراد نفس کی وہ حالت ہے جب وہ ابتدائی ضروری صورتیں (تصورات / معقولات) حاصل کر لیتا ہے۔ جیسے بچے کی یہ معرفت کہ قلم اور دوات سے لکھتے ہیں اور حروف و الفاظ لکھتے ہیں (لیکن عملاً لکھنا ابھی اسے نہیں آتا)۔ یہ صلاحیت سب انسانوں میں برابر ہوتی ہے اور یہ عقل غریزی ہی کا گویا اگلا مرحلہ ہوتی ہے۔[۷۷]

۳) العقل بالفعل یا العقل المکتسب :

یہ وہ حالت ہے جس میں نفس کو حقائق اولیہ کے بعد صورِ عقلیہ کے حدوث کی کامل استعداد حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ گویا اب اس کے پاس مخزون (سٹور) ہوتی ہیں کہ وہ جب چاہے بلا تکلف انہیں استعمال کر سکتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے لکھنا سیکھ لیا ہو لیکن اس کے پاس لکھنے کا کام نہ ہو یا دوسرے کاموں میں پڑ کر وہ بھول گیا ہو کہ اسے لکھنا بھی آتا ہے، لیکن وہ جانتا ہے کہ وہ لکھ سکتا ہے اور جب ضرورت پڑے گی تو لکھ لے گا۔[۷۸]

۴) العقل المستفاد یا العقل القدسی :

یہ عقلی صلاحیت کی وہ حالت ہے جس میں آدمی کو کسی کام کے کرنے کی مطلق استعداد حاصل ہوتی ہے، یعنی صورِ معقولہ اس میں ہر وقت موجود ہوتی ہیں، وہ جب

چاہے ان کا مطالعہ کر سکتا ہے' بالفعل ایسا کرتا ہے اور اسے ادراک ہوتا ہے کہ وہ ایسا کر رہا ہے۔ اور اسے صور و معانی دونوں کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ عقلی صلاحیت انسانوں میں کم و بیش ہوتی ہے۔[۷۹]

۵) العقل الفعال :

یہ ان عقولِ مفارقہ میں سے ہے جن کی وساطت سے عقل قوّت سے فعل کا روپ دھارتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان پر علوم و معارف کا در وا ہوتا ہے[۸۰]۔ غزالی کہتے ہیں کہ عقل فعال کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ یہ اظہر من الشمس ہے۔ بہرحال بطورِ اتمامِ حجت وہ قرآنی آیات ﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴾[۸۱] اور ﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴾[۸۲] کو بھی پیش کرتے ہیں۔

(جاری ہے)

مراجع و مصادر

(۴۹) غزالی' الاحیاء' ۲ : ۱۷ ' ۱۸۹

(۵۰) غزالی' الاحیاء' ۳ : ۱۶۳

(۵۱) غزالی' الاحیاء' ۴ : ۲۸۹

(۵۲) غزالی' الاحیاء' ۴ : ۲۹۸

(۵۳) غزالی' الاحیاء' ۲ : ۱۶۱

(۵۴) غزالی' الاحیاء' ۲ : ۱۶۳

(۵۵) شبلی' الفاروق' قومی کتب خانہ' لاہور

(۵۶) غزالی' الاحیاء' ۲ : ۱۶۳

(۵۷) غزالی' الاحیاء' ۴ : ۳۲۲' ۳۲۴

(۵۸) غزالی' معیار العلم' ص ۱۲۵' مطبع کردستان العلمیہ' القاہرہ' ۱۳۲۹ھ

(۵۹) غزالی' المعارج' ص ۴۱' ۲۷۸

(۶۰) غزالی' المقاصد' ص ۲۸' تہافت الفلاسفہ' طبع بویج' بیروت' ۱۹۵۱' ص ۲۴۲' المیزان' ص ۲۱ و مابعد

(۶۱) غزالی' المعیار' ص ۲۴ و احیاء ۳ : ۵

(۶۲) غزالی' المیزان' ص ۲۵ و الکیمیا' ص ۵۱۱

(۶۳) غزالی' المعارج' ص ۸۴' المیزان' ص ۶۲' المقاصد' ص ۵۸

(۶۴) غزالی' المیزان' ص ۲۵

(۶۵) غزالی' المعیار' ص ۲۴

(۶۶) غزالی' رسالہ فیصل المتفرقہ' ص ۳۵ و مابعد' دار الجواہر الغوالی' طبع فرج اللہ الکردی'

(باقی صفحہ ۴۳ پر)

دینِ ابراہیمؑ اور ریاستِ اسرائیل(۷)
قرآن مجید کی روشنی میں

(آخری قسط)

تالیف : عمران این حسین ـــــــ اردو ترجمہ : سید افتخار احمد

باب ششم

نتیجہ

مسلمانوں کیلئے یہودی ریاست اسرائیل کو تسلیم کرنا کفر، شرک اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے غدّاری ہے

مسلمانوں کے لئے یہودی ریاست اسرائیل کو تسلیم کرنے کے نتائج بہت زیادہ خطرناک اور خوفناک ہیں۔ یہ کفر کا عمل ہے، کیونکہ اس طرح وہ قرآن مجید کا انکار کریں گے۔ سب کچھ قرآن مجید میں مذکور ہونے کے باوجود بھی اگر مسلمان ایسا کریں گے تو دراصل وہ یہود کی پیروی کریں گے اور وہ قرآن مجید کو اسی طرح پسِ پشت ڈال دیں گے جس طرح یہود نے پیغمبر محمد ﷺ کی آمد پر انہیں نظرانداز کر دیا تھا :

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

(البقرۃ۲ : ۱۰۱)

"اور جب پہنچا ان کے پاس ایک رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے، تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے، تو پھینک دیا اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔"

یہ ایک شرک کا عمل بھی ہو گا۔ جیسا کہ یہود کا اس زمین پر حقِ ملکیت کا بنیادی دعویٰ ہے، جو اللہ تعالیٰ کے خلاف جھوٹ ہے۔ لہٰذا یہ شرک ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ اور پیغمبر محمد ﷺ کے خلاف غداری ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور مسلمان اُمّت تخلیق کی۔ ابراہیم علیہ السلام کے دین کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کا بنیادی مشن آپ کی زندگی میں مکمل ہوگیا۔ مسلمانوں کے یہودی ریاست اسرائیل کو تسلیم کرنے کا مطلب ہوگا ابراہیم علیہ السلام کے دین کو چھوڑ دینا۔ آج ہمیں جو خطرہ ہے وہ یہ کہ ہمارے نام نہاد مسلمان عالم جو مسلمانوں کے لیڈر کہلاتے ہیں' وہ یا تو خود اس موضوع کے بارے میں گمراہ ہو چکے ہیں یا پھر وہ بد نصیبی سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ' دینِ اسلام اور نبی ﷺ کی اُمّت سے غداری کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ یہ نام نہاد مسلم علماء یہودی ریاست اسرائیل کے تسلیم کرنے کی حمایت کرتے ہیں اور عملی طور پر اور جان بوجھ کر اپنے پیروکاروں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

کل اس طرح کے نام نہاد علماء نے فتاویٰ جاری کئے تھے جن میں امریکہ کے یہودی اور عیسائی فوجیوں کی خلیج کی جنگ میں موجودگی کی تائید کی تھی۔ اور آج وہ مسلمانوں کی طرف سے یہودی ریاست اسرائیل کو تسلیم کرنے کی تحریک کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ اس طرح کے نام نہاد مسلمان عالم ایسے گڈریوں کی مانند ہیں جو بھیڑوں کو بھیڑیوں کے منہ میں دھکیلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کتنے خطرناک ہیں ایسے گڈریے اور کتنی بد قسمت ہیں وہ بھیڑیں جو ان کی پیروی کر رہی ہیں۔

اس تحقیقی کام میں ہم نے بنیادی طور پر تورات کو ہی کسوٹی بنایا ہے تاکہ ان شیطانی قوتوں کے اس ملک فلسطین پر قابض رہنے کے دعویٰ کی جانچ کریں۔ استحصالی قوتیں کسی نہ کسی طرح اپنے حق پر ہونے کا دعویٰ یا بحث کرتی ہیں۔ جو کچھ بھی ان کا حق یا دعویٰ ہے وہ سب جھوٹ ہے' کیونکہ امن اور انصاف صرف سچائی سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید کا طریق کار یہ ہے کہ وہ حق کو ظاہر کرتا ہے اور اس باطل کا جس سے استحصالی قوتیں اپنا کام کرتی ہیں' ابطال کرتا ہے۔ جب باطل کو شکست ہوتی ہے تو استحصال کرنے والا ظاہر اور عریاں ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے بچاؤ کے لئے بھاگتا ہے :

﴿ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ○ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ○ ﴾ (سبا ۳۴ : ۴۸'۴۹)

"کہہ دیجئے : بے شک میرا رب (مجھ پر) حق کا القاء کرتا ہے' اور وہ تمام چھپی چیزیں

جانتا ہے۔ کہہ دیجئے : حق آگیا ہے اور اب باطل نہ تو کسی کے سامنے کھڑا رہ سکتا ہے اور نہ پھر کر واپس آ سکتا ہے۔"

﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ﴾

(الانبیاء۲۱ : ۱۸)

"بلکہ ہم باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں' جو اس کا سر توڑ دیتی ہے' پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے مٹ جاتا ہے۔"

استحصال کرنے والے کا طریق کار یہ ہے کہ وہ حق کو ذلیل کرنے یا نیچا دکھانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ جھوٹ جس پر اس کا استحصالی نظام قائم ہے' زندہ رہ سکے۔ قرآن مجید اس طریق کار کی وضاحت کرتا ہے:

﴿ ... وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ... ﴾

(الکہف ۱۸ : ۵۶)

"....اور منکر لوگ باطل (دلائل) کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے حق کو نیچا دکھائیں... "

اس طرح وہ اسلام کو آج تمام دنیا میں ذلیل کرتے ہیں۔ استحصال کرنے والا مصنوعی طور پر مسلمانوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتا ہے۔ وہ جو باطل کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں اور نتیجتاً وہ باطل کو للکارنے کا کام چھوڑ دیتے ہیں' یہ "اچھے مسلمان" کہلاتے ہیں۔ اور دوسرے جو حق کے وفادار رہتے ہیں ان کو یہ کہہ کر ذلیل کیا جاتا ہے کہ یہ بنیاد پرست ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب میں جہاں تک ہمارے موضوع کا تعلق ہے' سچائی بیان کی گئی ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ سچائی نے جھوٹ کو ختم کر دیا ہے' اُس جھوٹ کو جسے استحصال کرنے والے فلسطین میں اپنا حق جتانے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

ریاستِ اسرائیل کی بحالی سے متعلقہ یہود و نصاریٰ کیلئے قرآنی مضمرات

کوئی یہودی یا نصرانی جو اس کتاب کا مطالعہ کرے' مجھے یقین ہے کہ قرآن مجید کی وضاحت جو ہم نے پیش کی ہے' اس سے پوری طرح مطمئن ہو گا۔ اگر ایسا ہو تو یہ بات اس کی مذہبی سوچ پر بلکہ اخروی نجات پر بہت گہرا اثر ڈالے گی۔

اگر ایسا قاری راست بازی اور دیانت داری کو قائم رکھنا چاہے تو اسے اس کتاب میں نشاندہی کئے گئے چیلنجز کا مکمل سنجیدگی سے احاطہ کرنا ہو گا۔ وہ عرب کے جاہل بت

پرست لوگوں کے ختنہ کے عمل کا' جو وہ پیغمبر محمد ﷺ کی پیدائش سے ہزاروں سال قبل سے ایک مذہبی فریضہ کے طور پر کرتے چلے آرہے ہیں کیا جواز پیش کرے گا؟ وہ عرب کے جاہل بت پرست لوگوں کے ابراہیم علیہ السلام کی سنّت میں بیٹے کی بجائے مینڈھے کی قربانی کے عمل کا' جو وہ پیغمبر محمد ﷺ کی پیدائش سے قبل ہزاروں سال سے لاکھوں جانوروں کی ہر سال قربانی کے متبرک مذہبی فریضہ کے طور پر کرتے چلے آرہے تھے' کیا جواز پیش کرے گا؟ وہ عرب کے جاہل بت پرست لوگوں کے عرب میں اللہ تعالیٰ کے قدیم گھر پر جسے ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا' سالانہ حج کی حاضری کے عمل کا کیا جواز پیش کرے گا؟

اس لئے قاری کو لازم ہے کہ وہ ایسا مطالعہ کرے جس سے اس پر یہ واضح ہو سکے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ اس کتاب میں بیان کردہ موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے قاری کو فوری مطالعہ کی ضرورت کا احساس ہونا چاہئے۔ اور یہ مطالعہ نتائج سے بے پرواہو کر صرف سچائی کو دریافت کرنے کی غرض سے ہونا چاہئے۔ ذرا سی لاپرواہی قاری کے کردار کو پستی کی طرف لے جا سکتی ہے۔

ایک شخص کس طرح یہ اندازہ لگائے گا کہ قرآن مجید تورات یا انجیل کی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام ہے؟ وہ کس طرح یہ اندازہ کرے گا کہ تورات و انجیل کے برعکس قرآن مجید ایک مستند اور قابل اعتماد کتاب ہے؟ کیونکہ تورات اور انجیل کی تحریف ہو چکی ہے۔ ان حقائق کو پرکھنے کے لئے وہ کون سے طریقے استعمال کرے گا؟

سچائی اگر حقیقی سچائی ہے تو وہ انسانی عقل و دلائل سے پرکھی جا سکتی ہے' وہ عقل و دلائل جو ایک کسان ایک یونیورسٹی پروفیسر کی طرح کھیت میں استعمال کرتا ہے۔ انہی عقل و دلائل سے ایک راسخ العقیدہ انسان قرآن مجید کی حقانیت کو دریافت کر سکتا ہے کہ وہ محمد ﷺ پر وحی الٰہی کے طور پر آیا۔ یا اگر محمد ﷺ نے یا اس وقت کے کسی دوسرے عرب انسان نے جو اُس وقت آپؐ کی مدد کر رہا تھا' اس کو لکھا ہوتا تو فوراً معلوم ہو جاتا۔ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو یہ کہاں سے آیا ہے؟ اگر یہ اُس وقت کے کسی عرب کی تحریر نہیں ہے تو یقیناً یہود و نصاریٰ کو تو پہچان لینا چاہئے تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ایک دفعہ اگر اس کی حقیقت قبول کر لی جاتی تو خود بخود راستہ کھلتا جاتا کہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا اور غیر تحریف شدہ کلام ہے۔

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

امام بقی بن مَخلَد قرطبیؒ

—— عبدالرشید عراقی ——

شیخ الاسلام ابو عبدالرحمٰن امام بقی بن مخلد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کے دستور کے مطابق علم حدیث کی طرف زیادہ توجہ کی اور اس علم میں کمال حاصل کیا' جس کی وجہ سے ان کا شمار اکابر محدثین کرام میں ہوتا ہے۔ علمائے فن نے حدیث میں ان کے صاحبِ کمال ہونے کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے :

یانع فی الجَمع والرِّوایة

"حدیث کی روایت میں ان کو بڑا انہماک تھا۔"

حفظ و ضبط اور صدق و ثقاہت میں بھی ممتاز تھے۔ علمائے فن نے ان کو ثقہ' حجت' ثابت اور "من الحُفّاظ المُحدِّثین" لکھا ہے۔

فقہ و اجتہاد میں بھی امام بقی بن مخلد کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ کسی خاص مذہب یا امام کے پابند نہ تھے' بلکہ خود فقیہہ و مجتہد اور صاحب اختیارات تھے۔ حافظ ابنِ عساکر اور حافظ ذہبی نے لکھا ہے :

وکان مجتهداً متخیراً لا یُقَلِّدُ اَحداً

"وہ مجتہد' صاحب اختیارات تھے اور کسی امام کے مقلد نہ تھے۔"

امام بقی بن مخلد کے علم و فضل اور علوم اسلامیہ میں ان کے یگانہ روزگار ہونے کا اربابِ سیر' تذکرہ نگاروں اور علمائے فن نے اعتراف کیا ہے' اور ان کو امام' احد الائمۃ الاعلام' عدیم المثال اور یکتائے روزگار لکھا ہے۔

ولادت : شیخ الاسلام ابو عبدالرحمٰن بقی بن مخلد ۲۰۱ھ میں اندلس کے مشہور شہر قرطبہ میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ و تلامذہ : امام بقی بن مخلد کے اساتذہ اور تلامذہ کی فہرست وسیع ہے۔ حافظ ابنِ عساکر اور حافظ ذہبی نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کے اساتذہ کی فہرست درج کی ہے۔

ان کے اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، امام ابو بکر، عبداللہ بن ابی شیبہ شامل ہیں اور تلامذہ میں ان کے صاحب زادے احمد بن بقی اور محمد بن وزیر جیسے مشاہیرِ اسلام شامل ہیں۔

طلب علم کے لئے سفر : امام بقی بن مخلد نے علم کی تحصیل و تکمیل کے لئے مغرب و مشرق کے اکثر اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ تذکرہ نگاروں نے ان کو "ذُو رِحْلَةٍ وَاسِعَةٍ" یعنی کثیر الاسفار بتایا ہے۔

علوم کی اشاعت : امام بقی بن مخلد کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مشرقی ممالک سے واپسی کے بعد اندلس کی سرزمین کو احادیث و روایات کی نشر و اشاعت سے معمور کر دیا۔ حافظ ابنِ عساکر نے اس کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے متعدد امّہاتِ کتبِ حدیث کو اندلس میں متعارف کرایا۔

رجع الاندلس فملأها علماً جمّاً

"اندلس واپس آکر اس کو علوم سے مملو کر دیا"۔

كتَبَ المصنّفات الكبار وادخلها الاندلس و نشر بها علم الحديث

"وہ بڑی اور بلند پایہ کتابوں کو نقل کر کے اندلس لائے اور ان کے ذریعے یہاں پر علم حدیث کی اشاعت کی۔"

علامہ ابنِ الفرضی نے اپنی کتاب "تاریخ العلماء والرواۃ فی الاندلس" میں لکھا ہے کہ امام بقی بن مخلد جب ممالک مشرق سے تحصیل علم کے بعد واپس اندلس تشریف لائے تو درج ذیل کتابیں اپنے ساتھ لائے اور اہل اندلس کو ان سے متعارف کرایا :

"مصنف ابنِ ابی شیبہ، امام شافعیؒ کی کتاب الام، خلیفہ بن خیاط کی کتاب التاریخ و کتاب الطبقات، اور سیرتِ عمر بن عبد العزیز اموی۔"

امام بقی بن مخلد کی فقہاء کی طرف سے مخالفت : امام بقی بن مخلد امام احمد بن حنبل کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ بڑے متبعِ سنت تھے۔ آپ ائمہ مجتہدین اور فقہاء کی تقلید کے مقابلہ میں براہ راست احادیث و آثار کی پیروی کرتے تھے۔ جب امام بقی بن مخلد اندلس واپس آئے تو اُس وقت وہاں فقہ مالکی کا غلبہ تھا۔ اس لئے وہاں کے لوگوں کو موطأ امام مالک اور اہلِ مدینہ کی حدیثوں سے زیادہ واقفیت تھی اور اس کے مقابلہ میں اہلِ

عراق قلیل الاحادیث تھے۔ چنانچہ جب امام بقی بن مخلد نے مصنف ابن ابی شیبہ کا درس دینا شروع کیا تو فقہاء کی ایک جماعت مسائل میں اختلاف کو برداشت نہ کر سکی اور امام بقی بن مخلد کی مخالفت شروع کر دی اور عوام کو ان کے خلاف بھڑکا دیا۔ امام صاحب نے اس مخالفت کے طوفان سے مجبور ہو کر درس بند کر دیا۔ جب فرماں روائے اندلس محمد بن عبدالرحمٰن بن حکم اموی جو خود ایک صاحب علم و فضل تھا اور علماء کا بڑا قدر شناس تھا' کو اس ہنگامہ کی اطلاع ملی تو اس نے امام بقی بن مخلد اور ان کے مخالف فقہاء کو دربار میں طلب کیا اور مصنف ابن ابی شیبہ منگوا کر خود اس کا مطالعہ کیا اور اس کو پسند کیا۔ اس نے اپنے کتب خانہ میں اس کی نقل فراہم کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ ایسی بے نظیر اور عمدہ کتاب سے ہمارا کتب خانہ خالی نہ ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد امام بقی بن مخلد سے کہا کہ آپ علم کی نشر و اشاعت جاری رکھیں اور احادیثِ رسول ﷺ کا جو ذخیرہ آپ کے پاس موجود ہے اس سے لوگوں کو فیض یاب کریں۔ اور مخالفین کو سخت سرزنش کی کہ آئندہ ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔ اگر مجھے اس سلسلہ میں کوئی شکایت ملی تو آپ کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

اخلاق و عادات : امام بقی بن مخلد بڑے جامع الصّفات تھے۔ زہد و ورع میں بھی ان کا مرتبہ بلند تھا۔ مستجاب الدّعوات تھے۔ ۳۵ مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے تھے۔ حق گوئی اور بے باکی میں بھی اپنی مثال آپ تھے اور سچی بات کہنے میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے۔

وفات : امام صاحب نے ۲۹ جمادی الثانیہ ۲۷۶ھ کو قرطبہ میں وفات پائی۔ ان کے شاگرد محمد بن یزید نے نماز جنازہ پڑھائی اور بنو عباس کے قبرستان میں سپردِ خاک کئے گئے۔

تصانیف

امام بقی بن مخلد کثیر التصانیف اور باکمال مصنف تھے۔ ان کی کتابیں جامعیت' کثرتِ مطالعہ اور وسعتِ معلومات کا آئینہ دار تھیں اور ان کا شمار اسلام کی اہم اور بنیادی کتابوں میں ہوتا تھا۔ لیکن افسوس کہ ان کی کتابیں بھی قدماء کی طرح ناپید ہو گئیں۔

امام صاحب کی صرف تین کتابوں کے نام ملتے ہیں :

① فتاویٰ صحابہؓ و تابعینؒ و من دونہم

② کتاب التفسیر : بڑی جلیل القدر اور عمدہ تفسیر تھی۔ امام ابنِ حزم اس کو تفسیر ابنِ جریر سے بلند مرتبہ قرار دیتے تھے۔

③ مسند بقی بن مخلد : یہ امام صاحب کی سب سے اہم اور عظیم الشان تصنیف ہے۔ اس کو مسند کبیر بھی کہا جاتا ہے۔ حافظ ابنِ کثیر کے مطابق اس میں ۱۶۰۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث درج تھیں اور اس کی ترتیب فقہی ابواب پر ہے۔ امام ابنِ حزم کا بیان حافظ ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے' وہ فرماتے ہیں :

"مسند کبیر کو امام بقی بن مخلد نے صحابہ کرامؓ کے ناموں پر مرتب کیا ہے۔ اس میں ۱۳۰۰ سے زیادہ صحابہ کرامؓ کی روایات ہیں۔ ہر صحابی کی حدیث کو فقہ و احکام کے ابواب و عنوانات کے تحت نقل کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ مسند بھی ہے اور مصنف بھی۔ میرے علم میں اس مرتبہ و اہمیت کی اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ انہوں نے اپنی ثقاہت' ضبط' اتقان' حدیث میں جامعیت اور جودتِ شیوخ کے باوجود ۱۸۴ راویوں سے اس کی روایت کی ہے' جو قریب قریب سب مشہور اور بلند پایہ محدث ہیں"۔

حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ :

"امام ابنِ حزم نے اس کو مسند امام احمد بن حنبل پر ترجیح دی ہے جو میرے خیال میں محلِ نظر ہے۔ مسند احمد بن حنبل اس سے بھی زیادہ جامع و جیّد کتاب ہے۔"

مراجع و مصادر

۱) ابن کثیر' البدایہ والنہایہ
۲) ابن عساکر' تاریخ ابنِ عساکر
۳) ابن الفرضی' تاریخ العلماء
۴) ذہبی' تذکرۃ الحفاظ

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

نگاہ واپسیں

اشاریہ ماہنامہ "حکمتِ قرآن"

جنوری ۱۹۹۸ء تا دسمبر ۱۹۹۹ء (جلد ۷ و ۸)

مرتب : انور کمال میو

○

قرآنیات

احمد الدین مارہروی

شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ — فروری ۹۹ء ص ۶۵

احمد یار، پروفیسر حافظ

لغات و اعراب قرآن

قسط ۸۸ : سورۃ البقرۃ (آیات ۱۰۶، ۱۰۷) — جنوری ۹۸ء ص ۴۵

قسط ۸۹ : سورۃ البقرۃ (آیات ۱۰۶، ۱۰۷، گزشتہ سے پیوستہ) — مارچ ۹۸ء ص ۴۳

قسط ۹۰ : سورۃ البقرۃ (آیت ۱۰۸) — اپریل ۹۸ء ص ۴۹

قسط ۹۱ : سورۃ البقرۃ (آیات ۱۰۹، ۱۱۰) — مئی ۹۸ء ص ۵۶

قسط ۹۲ : سورۃ البقرۃ (آیات ۱۰۹، ۱۱۰، گزشتہ سے پیوستہ) — جون ۹۸ء ص ۵۱

قسط ۹۳ : سورۃ البقرۃ (آیات ۱۰۹، ۱۱۰، گزشتہ سے پیوستہ) — جولائی ۹۸ء ص ۵۵

پاکستان میں رسم عثمانی پر مبنی نسخۂ قرآن کی اشاعت کی ضرورت — ستمبر ۹۸ء ص ۴۳

کتابت مصاحف اور علم ضبط (۱) — اکتوبر ۹۸ء ص ۳۵

کتابت مصاحف اور علم ضبط (۲) — نومبر ۹۸ء ص ۴۱

کتابت مصاحف اور علم ضبط (۳) — دسمبر ۹۸ء ص ۴۹

کتابت مصاحف اور علم ضبط (۴) — فروری ۹۹ء ص ۸۹

کتابت مصاحف اور علم ضبط (۵) — اپریل ۹۹ء ص ۸۱

کتابت مصاحف اور علم ضبط (۶) — مئی ۹۹ء ص ۵۰

کتابت مصاحف اور علم ضبط (۷) — ستمبر ۹۹ء ص ۳۳

اسرار احمد، ڈاکٹر

مطالعہ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب

درس ۹-۲ : اثباتِ آخرت کے لئے قرآن کا استدلال (سورۃ القیامہ)	جنوری ۹۸ء	ص ۳
درس ۹-۳ : اثباتِ آخرت کے لئے قرآن کا استدلال (سورۃ القیامہ)	مارچ ۹۸ء	ص ۳
درس ۱۰-۱ : تعمیرِ سیرت کی اساسات اور قرآن کا انسانِ مطلوب (سورۃ المومنون اور سورۃ المعارج کی روشنی میں)	اپریل ۹۸ء	ص ۵
درس ۱۰-۲ : تعمیرِ سیرت کی اساسات اور قرآن کا انسانِ مطلوب	مئی ۹۸ء	ص ۳
درس ۱۱-۱ : بندۂ مومن کی شخصیت کے خدوخال (سورۃ الفرقان)	جون ۹۸ء	ص ۳
درس ۱۱-۲ : بندۂ مومن کی شخصیت کے خدوخال (سورۃ الفرقان)	جولائی ۹۸ء	ص ۷
درس ۱۲-۱ : عائلی زندگی کے بنیادی اصول (سورۃ التحریم کی روشنی میں)	ستمبر ۹۸ء	ص ۸
درس ۱۲-۲ : عائلی زندگی کے بنیادی اصول، تربیتِ اولاد اور والدین کی ذمہ داری (سورۃ التحریم)	اکتوبر ۹۸ء	ص ۲۱
درس ۱۲-۳ : عائلی زندگی کے بنیادی اصول، عورت کا روحانی و اخلاقی تشخص (سورۃ التحریم)	نومبر ۹۸ء	ص ۳۳
درس ۱۳-۱ : اسلام کا معاشرتی اور سماجی نظام (بنی اسرائیل : ۲۳-۴۰)	دسمبر ۹۸ء	ص ۱۰
درس ۱۳-۲ : اسلام کا معاشرتی اور سماجی نظام (بنی اسرائیل : ۲۳-۴۰)	فروری ۹۹ء	ص ۱۷
درس ۱۴-۱ : مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی کے رہنما اصول (الحجرات)	مئی ۹۹ء	ص ۳
درس ۱۴-۲ : مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی کے رہنما اصول (الحجرات)	جون ۹۹ء	ص ۱۷
درس ۱۴-۳ : مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی کے رہنما اصول (الحجرات)	جولائی ۹۹ء	ص ۳
درس ۱۴-۴ : مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی کے رہنما اصول (الحجرات)	ستمبر ۹۹ء	ص ۳
درس ۱۴-۵ : مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی کے رہنما اصول (الحجرات)	اکتوبر ۹۹ء	ص ۳
درس ۱۴-۶ : مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی کے رہنما اصول (الحجرات)	نومبر ۹۹ء	ص ۳
درس ۱۵-۱ : تواصی بالحق کا ذروۂ سنام : جہاد و قتال فی سبیل اللہ	دسمبر ۹۹ء	ص ۵

سلسلۂ تقاریر "تعارف الکتاب"

وَمَنْ يَّقْنُتْ (۳۱)	جولائی ۹۸ء	ص ۳
وَمَالِيَ (۳۲)	اگست ۹۸ء	ص ۱۳
فَمَنْ اَظْلَمُ (۳۴)	ستمبر ۹۸ء	ص ۳
اِلَيْهِ يُرَدُّ (۳۵)	اکتوبر ۹۸ء	ص ۱۲
حٰمٓ (۳۶)	نومبر ۹۸ء	ص ۳

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ (۲۷)	دسمبر۹۸ء	ص۵
قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ (۲۸)	فروری۹۹ء	ص۳
قرآن حکیم سے ہمارے حجاب کے اسباب	اپریل۹۹ء	ص۳

طاہرہ بشارت

تاثیر قرآن	دسمبر۹۹ء	ص۲۹

طفیل ہاشمی، ڈاکٹر

فقہی تفاسیر کا آغاز وارتقاء	جون۹۸ء	ص۲۱

عاصم نعیم امیر اللہ

دعوت دین کے قرآنی مناہج (اسوۂ ابراہیم علیہ السلام کی روشنی میں)	ستمبر۹۹ء	ص۲۱

عمران این حسین / مترجم : سید افتخار احمد

دین ابراہیم اور ریاست اسرائیل، قرآن مجید کی روشنی میں (۱)	مئی۹۹ء	ص۲۷
دین ابراہیم اور ریاست اسرائیل، قرآن مجید کی روشنی میں (۲)	جون۹۹ء	ص۲۷
دین ابراہیم اور ریاست اسرائیل، قرآن مجید کی روشنی میں (۳)	جولائی۹۹ء	ص۳۳
دین ابراہیم اور ریاست اسرائیل، قرآن مجید کی روشنی میں (۴)	ستمبر۹۹ء	ص۴۱
دین ابراہیم اور ریاست اسرائیل، قرآن مجید کی روشنی میں (۵)	اکتوبر۹۹ء	ص۳۶
دین ابراہیم اور ریاست اسرائیل، قرآن مجید کی روشنی میں (۶)	نومبر۹۹ء	ص۴۳
دین ابراہیم اور ریاست اسرائیل، قرآن مجید کی روشنی میں (۷)	دسمبر۹۹ء	ص۴۷

محمد آصف ہزاروی

تورات اور قرآن کا تصور دعا	مئی۹۸ء	ص۳۳

مختار حسین فاروقی

خیریت تعلم و تعلیم قرآن اور ہماری ذمہ داری	اگست۹۸ء	ص۴۱

حقیقت و حکمت دین

اسرار احمد، ڈاکٹر (مرتب : ابو عبد الرحمٰن شبیر بن نور)

قسط۶ : حقیقت ایمان	ستمبر۹۸ء	ص۲۳
قسط۷ : حقیقت ایمان	اکتوبر۹۸ء	ص۳
قسط۸ : حقیقت ایمان، ایمان و عمل کا باہمی تعلق	نومبر۹۸ء	ص۹

قسط ۹ : حقیقت ایمان' جہاد کا مفہوم اور اس کے مراحل	دسمبر ۹۸ء	ص ۲۷
قسط ۱۰ : حقیقت ایمان' ایمان اور نفاق	فروری ۹۹ء	ص ۴۵
قسط ۱۱ : حقیقت ایمان' متفرق مباحث	اپریل ۹۹ء	ص ۳۱
قسط ۱۲ : حقیقت ایمان' ایمانِ حقیقی کے سرچشمے	اکتوبر ۹۹ء	ص ۱۹

شبیر بن نور' ابو عبدالرحمٰن

حقیقت ایمان — خلاصہ مباحث (۱)	مئی ۹۹ء	ص ۱۱
حقیقت ایمان — خلاصہ مباحث (۲)	جون ۹۹ء	ص ۳

محبوب احمد' حافظ

(انتخاب) جوامع الکلم	اکتوبر ۹۸ء	ص ۶۰

محمد سلیمان' حافظ

نماز — مؤمن کی معراج	دسمبر ۹۸ء	ص ۴۱

محمد منظور نعمانی

رمضان المبارک کی آمد پر رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ	دسمبر ۹۸ء	ص ۲

حقیقت انسان

اسرار احمد' ڈاکٹر

ایجاد و ابداع عالم سے عالمی خلافت تک "تنزل اور ارتقاء کے مراحل"	اگست ۹۹ء (خصوصی شمارہ)	

اسلام اور عصر حاضر

اسرار احمد' ڈاکٹر / مرتب : الف ایم ناز' فرقان دانش خان

قرآن حکیم اور عصر حاضر کے علمی' فکری اور عملی تقاضے (۱)	نومبر ۹۹ء	ص ۷
قرآن حکیم اور عصر حاضر کے علمی' فکری اور عملی تقاضے (۲)	دسمبر ۹۹ء	ص ۱۶

ممتاز احمد اعوان' پروفیسر

عصری مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں (۳)	جنوری ۹۸ء	ص ۳۷
علوم و فنون کی ترقی میں مسلمانوں کا کردار	مارچ ۹۸ء	ص ۱۹

نفیسہ رحمٰن

شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریات اور دورِ جدید کے مسائل	اپریل ۹۹ء	ص ۸۷

سیرت و سوانح

عبدالرشید عراقی

مولانا عبدالسلام ندوی رحمۃ اللہ علیہ	مارچ ۹۸ء ص ۴۹
امام ابو عبداللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ	اپریل ۹۸ء ص ۲۷
امام نووی رحمۃ اللہ علیہ	مئی ۹۸ء ص ۲۴
امام ابو بکر خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ	جون ۹۸ء ص ۳۵
امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ	جولائی ۹۸ء ص ۴۷
حافظ ابن عبدالبر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ	ستمبر ۹۸ء ص ۵۱
امام ابو بکر محمد بن عبداللہ بن العربی رحمۃ اللہ علیہ	اکتوبر ۹۸ء ص ۴۲
امام عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ	نومبر ۹۸ء ص ۵۹
امام مجدالدین بن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ	فروری ۹۹ء ص ۸۳
امام ابو نعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ	اپریل ۹۹ء ص ۷۶
امام ابو محمد بغوی رحمۃ اللہ علیہ	جون ۹۹ء ص ۳۹
قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ	جولائی ۹۹ء ص ۱۸
امام ابو قاسم رحمۃ اللہ علیہ	ستمبر ۹۹ء ص ۵۵
امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ	اکتوبر ۹۹ء ص ۴۷
امام عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ	نومبر ۹۹ء ص ۵۹
امام بقی بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ	دسمبر ۹۹ء ص ۵۱

علاؤ الدین شمسی ندوی

انسانیت کا محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم	اگست ۹۸ء ص ۵۷

اقبالیات

اسرار احمد، ڈاکٹر

علامہ اقبال کے افکار و خیالات (۱)	جولائی ۹۸ء ص ۲۷
علامہ اقبال کے افکار و خیالات (۲)	اگست ۹۸ء ص ۱۷

ظفر اقبال محسن

علامہ محمد اقبال اور ڈاکٹر اسرار احمد کے تعلیمی نظریات کا موازنہ (۱)	مارچ ۹۸ء ص ۵۲

علامہ محمد اقبال اور ڈاکٹر اسرار احمد کے تعلیمی نظریات کا موازنہ (۲) اپریل ۹۸ء ص ۳۳
علامہ محمد اقبال اور ڈاکٹر اسرار احمد کے تعلیمی نظریات کا موازنہ (۳) مئی ۹۸ء ص ۴۵

فرقان دانش خان
علامہ اقبال کے تصورات اپریل ۹۹ء ص ۵۴

تحریک رجوع الی القرآن

اسرار احمد، ڈاکٹر
تحریک رجوع الی القرآن کے فروغ میں مرکزی انجمن خدام القرآن کا حصہ
(۲۶ویں سالانہ اجلاس کے موقع پر اختتامی خطاب) اپریل ۹۹ء ص ۲۱
میٹرک پاس طلبہ کے نام پیغام جولائی ۹۹ء ص ۵

انوار الحق چوہدری
سالانہ رپورٹ شعبہ خط و کتابت کورسز (۹۷ء-۹۸ء) ستمبر ۹۸ء ص ۵۹
سالانہ رپورٹ شعبہ خط و کتابت کورسز (۹۸ء-۹۹ء) اکتوبر ۹۹ء ص ۶۰

جمیل الرحمٰن، شیخ
قرآن اکیڈمی میں قرآنی علوم و معارف کے انوار کی بارش جنوری ۹۸ء ص ۵۷

جمیلہ عبدالرحمٰن
قرآن اکیڈمی کراچی کے زیر اہتمام "ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس"
میں شامل خواتین کے تاثرات ستمبر ۹۹ء ص ۶۲

ذیشان دانش خان
قرآن کالج کی تقسیم اسناد تقریب میں صدر مؤسس کا خطاب مئی ۹۹ء ص ۶۲

شگفتہ بنت محمود
قرآن اکیڈمی کراچی کے زیر اہتمام "مدرسۃ البنات" (ایک تعارف) ستمبر ۹۹ء ص ۵۹

غازی محمد وقاص
ماہ رمضان المبارک کے دوران مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام
نونہالانِ وطن کے لئے رجوع الی القرآن کی خصوصی مہم اپریل ۹۹ء ص ۹۲

فرقان دانش خان
تحریک رجوع الی القرآن کا ایک اہم سنگ میل "دورۂ ترجمہ قرآن"

۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۹ء تک کے تدریجی سفر کا ایک جائزہ	جون ۹۹ء	ص ۴۵
"پاکستان، سودی نظام اور قرآن" کے عنوان سے سیمینار کا انعقاد	جولائی ۹۹ء	ص ۶۳

نوید احمد، انجینئر

قرآن اکیڈمی کراچی میں ڈاکٹر اسرار احمد کا دورۂ ترجمہ قرآن انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی کے زیر اہتمام	مارچ ۹۸ء	ص ۸۸
چوتھے ایک سالہ قرآن فہمی کورس کا آغاز	اپریل ۹۸ء	ص ۶۳

☆ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سالانہ محاضراتِ قرآنی (عمران این حسین کے خطبات کی تلخیص)	دسمبر ۹۸ء	ص ۵۹
☆ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا ۲۶واں سالانہ اجلاس	فروری ۹۹ء	ص ۹۹
☆ ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کی تقریب تقسیم اسناد اور شرکاء کے تاثرات	جولائی ۹۹ء	ص ۵۷
☆ قرآن کالج میں یک ماہی اسلامک جنرل نالج ورکشاپ کا انعقاد	جولائی ۹۹ء	ص ۶۰

بحث و نظر

اسرار احمد، ڈاکٹر

کیا "مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" کلام حضرت موسیٰؑ کی جزوی فضیلت نہیں؟	جولائی ۹۹ء	ص ۲۳

توقیر حسین شاہ

تعمیر شخصیت اور فلاح انسانیت (۱)	اکتوبر ۹۸ء	ص ۴۶
تعمیر شخصیت اور فلاح انسانیت (۲)	نومبر ۹۸ء	ص ۵۱

توقیر عالم فلاحی

شعر و شاعری سے متعلق قرآن و سنت کا موقف	جنوری ۹۸ء	ص ۲۳

حفصہ نسرین

نبویؐ منہاج انقلاب	مئی ۹۹ء	ص ۳۵

محمد یونس جنجوعہ

بدعت ایک خوشنما گمراہی	جون ۹۸ء	ص ۴۴

محمد یونس، کرنل (ر)

دین میں علم کی اہمیت (۱)	فروری ۹۹ء	ص ۷۱

دین میں علم کی اہمیت (۲) اپریل ۹۹ء ص ۶۱

متفرق

اسرار احمد، ڈاکٹر
نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت اور اہل پاکستان کی ذمہ داری (خطاب جمعہ کی تلخیص) اگست ۹۸ء ص ۳
عبدالرحمٰن دہلوی
بیس پسندیدہ خصلتیں نومبر ۹۹ء ص ۶۲
محمد امین، ڈاکٹر
امام غزالی اور تزکیۂ نفس (۱) اکتوبر ۹۹ء ص ۵۱
امام غزالی اور تزکیۂ نفس (۲) نومبر ۹۹ء ص ۲۹
امام غزالی اور تزکیۂ نفس (۳) دسمبر ۹۹ء ص ۳۶

امریکہ میں "دعوت رجوع الی القرآن" مئی ۹۹ء ص ۵۷

تعارف و تبصرۂ کتب

سجاد احمد تنزالوی
"استنبول سے رباط تک"
مؤلف : ڈاکٹر عمران این حسین / ترجمہ و تلخیص : محمد سردار اعوان مارچ ۹۸ء ص ۹۳
ظفر اللہ شفیق
"المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ" تصنیف : مولانا سید ابوالحسن ندوی اگست ۹۸ء ص ۶۳
غلام سرور، کرنل
"رسول اکرم ﷺ مغربی اہل دانش کی نظر میں"
تالیف : پروفیسر محمد یقا جولائی ۹۸ء ص ۴۳
محمد اشرف، حافظ
"اسلامی معاشی اصول عہد حاضر کے تناظر میں" مصنف : فاروق عزیز اپریل ۹۸ء ص ۶۰

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مؤلف : اظہار احمد قریشی نومبر ۹۸ء ص ۶۵

خطوط و نکات

شاہد اسلام بٹ

"ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظام خلافت تک"

ایک گرانقدر علمی خدمت — اکتوبر ۹۹ء — ص ۶۴

عبدالغفار حسن (مراسلہ)

مولانا مودودی مرحوم کا قائم کردہ تعلیمی ادارہ۔ چند وضاحتیں — اکتوبر ۹۸ء — ص ۵۷

عبدالحلیم حقانی

حضرت بنوریؒ آپ کے درس میں بنفس نفیس شریک تھے.... — جولائی ۹۹ء — ص ۵۲

نجم المدارس کلاچی سے حقانی صاحب کا مکتوب — اکتوبر ۹۹ء — ص ۶۳

عزت نور صافی

لوگوں کو قانونی اور حقیقی ایمان میں فرق سمجھانا بہت ضروری ہے۔ — جولائی ۹۹ء — ص ۵۴

حرفِ اوّل

اِس عنوان کے تحت حکمت قرآن کے اداراتی صفحہ پر بالعموم حافظ عاکف سعید صاحب کی اداراتی تحریر شائع ہوتی ہے۔ جنوری ۱۹۹۸ء، مئی ۱۹۹۸ء اور دسمبر ۱۹۹۹ء کے شماروں میں حافظ خالد محمود خضر کی اداراتی تحریریں شائع ہوئیں۔

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ کی تالیف

ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک

تنزل اور اِرتقاء کے مراحل

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-5869501 فیکس: 5834000

بقیہ : دین ابراہیمؑ اور ریاست اسرائیل ....

صرف قرآن مجید اس خطرناک مسئلہ کا حل بتا سکتا ہے جو آج فلسطین میں یہودی ریاست اسرائیل کے قیام کی وجہ سے درپیش ہے۔

قرآن مجید کا فیصلہ یہ ہے کہ فلسطین کی سرزمین متبرک ہے' کیونکہ اسے یہ درجہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ درجہ ابراہیم علیہ السلام اور وہاں ان کے دین کے قیام کی وجہ سے دیا۔ آج دین ابراہیمؑ صرف قرآن مجید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات یعنی اسلام میں منحصر ہے۔ اس لئے صرف اسلام ہی کا حق ہے کہ وہ فلسطین پر حکمرانی کرے۔ یہود و نصاریٰ کو وہاں رہنے کی اجازت ہونی چاہئے اور انہیں وہاں مکمل مذہبی آزادی ہونی چاہئے' اس شرط پر کہ وہ اسلام کی بالادستی کو تسلیم کریں۔

بقیہ : امام غزالی اور تزکیۂ نفس

القاھرہ' ۱۳۵۳ھ

(۶۷) غزالی' المیزان' ص ۲۵' المعارج' ص ۴۸ ومابعد

(۶۸) غزالی' المعارج' ص ۴۷ ومابعد

(۶۹) غزالی' الاقتصاد فی الاعتقاد' ص ۳۳' المکتبہ التجاریہ' القاھرہ

(۷۰) غزالی' مقاصد' ص ۲۸۵' المیزان' ص ۲۵

(۷۱) غزالی' المیزان' ص ۲۶ (۷۲) غزالی' المعارج ص ۴۸' ۴۷

(۷۳) غزالی' الاحیاء' ۴ : ۱۵۴

(۷۴) غزالی' الحکمۃ فی مخلوقات اللہ' ص ۳۹' مطبعۃ الفیل' القاھرہ' ۱۳۲۱ھ

(۷۵) غزالی' المعیار' ص ۱۶۲

(۷۶) غزالی' الاحیاء' ۱ : ۸۵' و ۳ : ۱۶' المعیار' ص ۱۶۳

(۷۷) غزالی' المیزان' ص ۲۷

(۷۸) غزالی' الاحیاء' ۳ : ۸' المعارج' ص ۵۴

(۷۹) غزالی' المعارج' ص ۵۶

(۸۰) غزالی' الاحیاء ۱ : ۸۳' المعارج' ص ۱۳۴

(۸۱) النجم ۵۳ : ۵ (۸۲) الحاقۃ ۶۹ : ۴۰

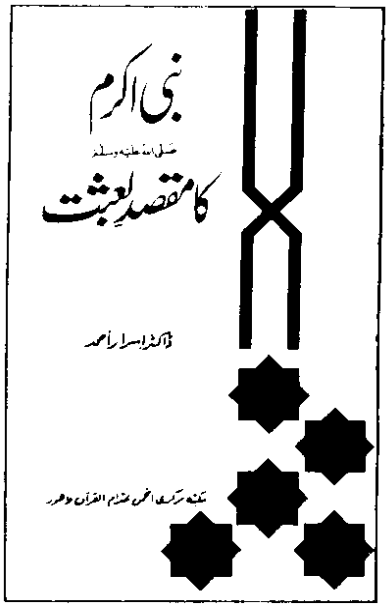

اشاعت خاص۔ ۳۰/ روپے' عام۔ ۱۰/ روپے

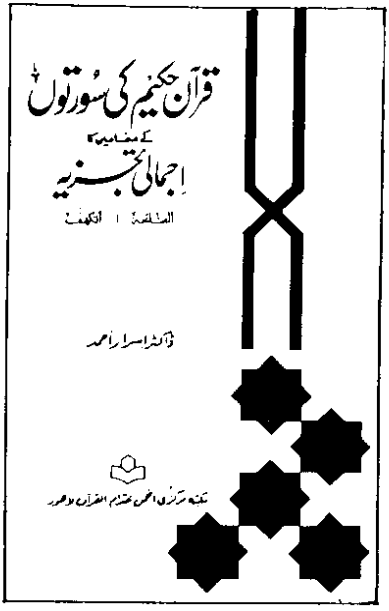

اشاعت خاص۔ ۶۰/ روپے' عام۔ ۲۵/ روپے

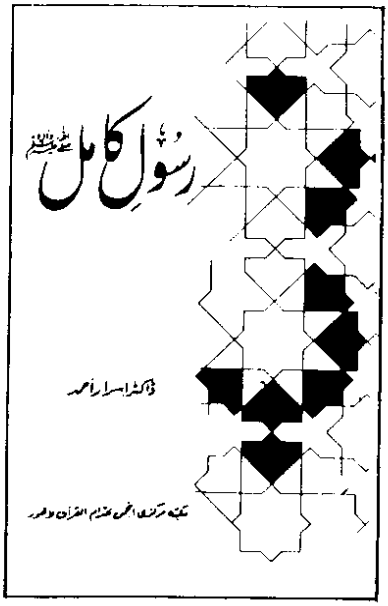

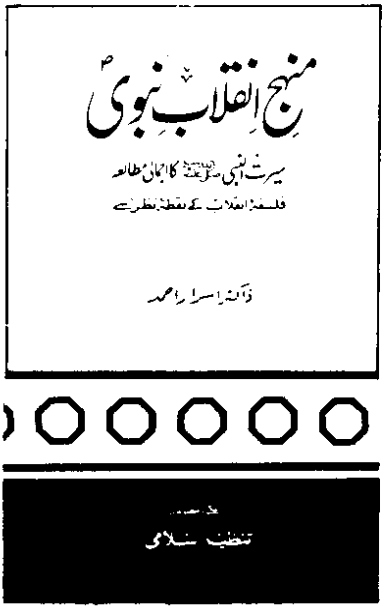

اشاعت خاص۔ ۱۶۰/ روپے' عام۔ ۱۴۰/ روپے